بسم اللہ الرحمن الرحیم

Shia Books PDF منظر ایلیاء
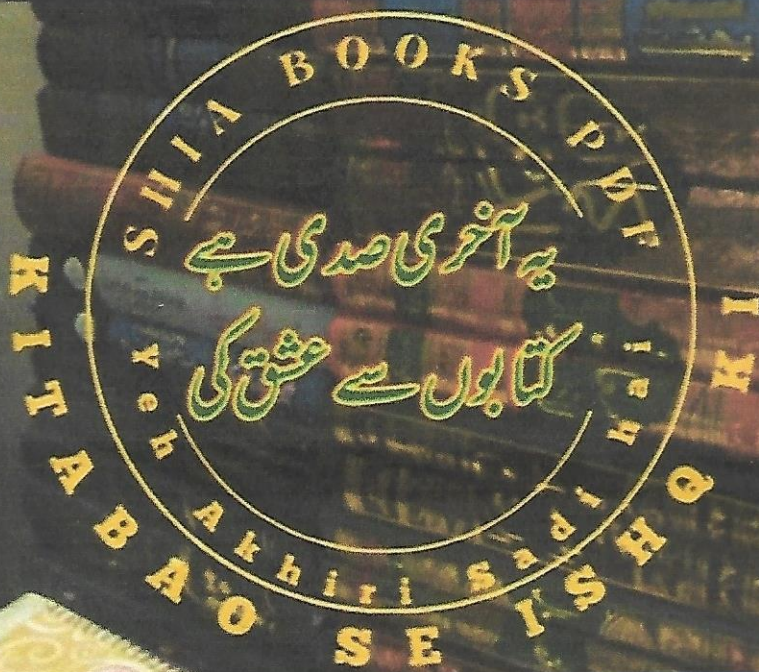
MANZAR AELIYA
9391287881
HYDERABAD INDIA

حسبنا کتاب اللہ
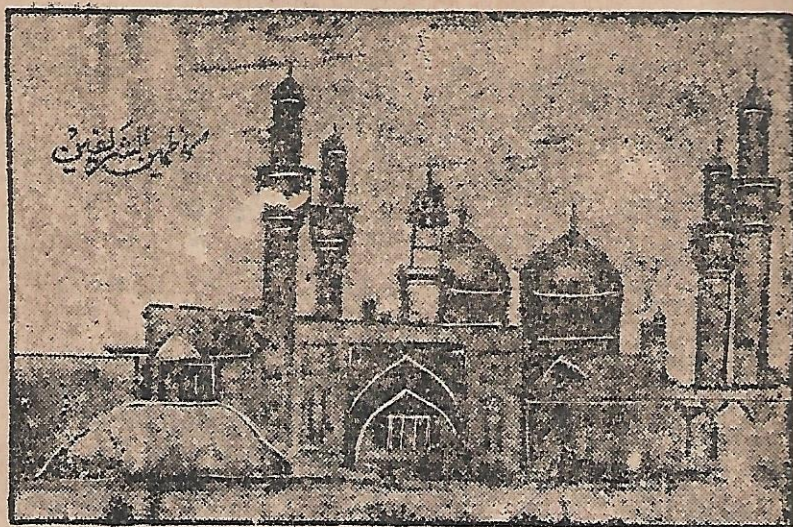
ادارہ کاظمی

دارالشفاء بلڈنگ حیدرآباد ۲۴

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں (اقبال)

ادارۂ کاظمی کی رکنیت قبول فرما کر مسلک اہلبیتؑ کی تبلیغی جدوجہد میں ہاتھ بٹایئے۔

مسلک اہلبیتؑ کے پیروؤں میں ذہنی شعور بیدار کرنے کیلئے ادارۂ کاظمی کی جانب سے مفید، مستند اور معلوماتی کتابوں کی اشاعت کا انتظام کیا گیا ہے۔ یہ کتابیں بالاقساط شائع ہونگی۔ ہر قسط (۱۶) صفحات پر مشتمل ہوگی۔ یعنی ماہانہ زیر اشاعت کتاب کے (۶۴) صفحات اور سالانہ (۷۶۸) صفحات کی کتابیں ادارے کے ہر رکن کی خدمت میں پیش کی جائیں گے اس طرح ایمان و عقائد کی بصیرت افروز مستند اور کمیاب کتابیں سستے داموں آپ کے گھر پہنچ جائیں گی۔

نشر و اشاعت کے مقصد کے ماتحت چندۂ رکنیت کم سے کم رکھا گیا ہے تاکہ دین حق کی نصرت میں عامی بھی بطیب خاطر شریک ہو سکے۔ اس سلسلۂ اشاعت کی سرپرستی ایک ایسا دینی فریضہ ہے جس کا اجر بارگاہ اہلبیت اطہارؑ سے حاصل ہوگا۔

چندہ رکنیت ماہانہ ۲-۰ روپیہ
" ششماہی ۱۱-۰ "
" سالانہ ۲۲-۰ "

جمیع مومنین و مومنات سے فرداً فرداً درخواست ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں ادارۂ کاظمی کی رکنیت قبول فرمائیں اور اپنے دوستوں اور عزیزوں کو بھی اس کا رکن بنائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ کتابیں شائع کیجا سکیں۔

منجانب ادارۂ کاظمی — سید غضنفر علی نقوی

اپنی بات

ملک بھر میں مختلف جماعتیں اپنے عقائد و مسلمات کی نشر و اشاعت میں سرگرم عمل ہیں کہنے کو حیدرآباد میں ملت جعفری کے بیشمار ادارے ہیں، گروہ ہیں، کمیٹیاں ہیں لیکن ان سبھوں کی سرگرمیاں ایام عزا کے ساتھ ختم ہو جاتی ہیں ان اداروں کے ارکان کا جوش ایمانی اور خلوص بلا شبہ قابل ستائش ہے ان کی خدمات مستحسن ہیں لیکن اسلامی تعلیمات پر صدیوں سے موضوع روایتوں اور مختلف مذاہب فکر نے جو پردے ڈال رکھے ہیں، اور ملت جعفری کے خلاف من گھڑت الزامات کا جو طومار باندھا ہے اور جن الزامات کو روایتی انداز میں ہر سال ایام عزا میں مخالفین دہراتے رہتے ہیں، غم حسینؑ میں بہائے جانیوالے آنسوؤں کا جو مذاق اڑایا جاتا ہے اور تعزیہ داری کے خلاف آئین شریعت ہونے کے فتوے صادر ہوتے رہتے ہیں، اور ہمارے عقائد و مسلمات پر آئے دن نکتہ چینی کی جاتی ہے اور عامۃ المسلمین میں مسلک اہلبیت کے پیروؤں کو "نکو" بنایا جاتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس غلط پروپگنڈے کے خلاف وہ "حقائق" پیش کئے جائیں جو مسلک اہلبیت کی اساس ہیں! اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم مخالفین کا مسکت جواب دینے سے قاصر ہیں یا ان کے عقائد و مسلمات کا پول نہیں کھول سکتے بلکہ اسلام کا مفاد اس میں ہے

کہ منفی رویہ اختیار کرنے کے بجائے مثبت نقطہ نظر کو دلیل راہ بنایا جائے۔
اس مقصد کے پیش نظر ادارہ کاظمی نے طے کیا ہے کہ ایسی نایاب یا کمیاب کتابیں اربابِ ملت تک پہنچائی جائیں جو بمصداق بہ یک کرشمہ دو کار مذہب حقہ کے نقطہ نظر کی ترجمان بھی ہوں اور مخالفین کے عقائد و مسلمات کی پردہ دری بھی۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے "حسبنا کتاب اللہ" کو پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ مجاہد ملت عالم بے عدیل حضرت امداد امام اثر مرحوم کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔

"حسبنا کتاب اللہ" ایک انقلابی نعرہ ہے جو آنحضرتؐ کے عین حیات آپ کے ایک جید صحابی نے بلند کیا۔ دراصل یہی نعرہ اسلام میں اختلافات کا نقطۂ آغاز ہے۔

اربابِ ملت سے درخواست ہے کہ بہ تعداد کثیر اس سلسلہ اشاعت کی سرپرستی فرمائیں۔ اس سلسلۂ اشاعت کی آمدنی بعد وضعات اخراجات طباعت عاشور خانہ کاظمی کے لئے خریدئ زمین و تعمیر، اور عاشور خانے کے ضروری اخراجات کے لئے مختص رہے گی۔

خادم

سید غضنفر علی نقوی

منجانب ادارۂ کاظمی

عرب کی تمدنی حالت

جس وقت آنحضرت کا ظہور ہوا، ملک عرب کا کچھ حصہ فارس اور کچھ روم کے زیر حکومت تھا بقیہ حصوں میں قبائل عرب کے شیوخ سرداری کرتے تھے۔ اس وقت مکہ اور مدینہ بھی اپنے اپنے شیخوں کے ماتحت تھے۔ مکہ کی سرداری رسول اللہ کے خاندان میں تھی جو بنی ہاشم کہلاتا تھا۔ مگر ان کے گوتیا جو بنی اُمیہ کے لقب سے مشہور تھے ان سے دولت اور قوت میں زیادہ تھے کم نہ تھے بنی ہاشم اور بنی اُمیہ میں اتفاق نہ تھا۔ مگر رسول اللہ کے ظہورِ رسالت تک ان دونوں خاندانوں میں بہت کشت و خون کی نوبت نہیں پہنچی تھی۔ معاشرت و اطوار میں یہ دونوں قبیلے ایک رنگ کے نہ تھے۔ بنی ہاشم عموماً بہادر صاف دل رحیم مزاج سیر چشم فیاض اور نیک اندیش تھے۔ بنی امیہ ان صفات حمیدہ سے قریب قریب کوئی مناسبت نہیں رکھتے تھے ہر چند دونوں قریش تھے مگر دونوں میں معاشرت اور اطوار کا بعید فرق تھا اگر ایک ایک عہدہ کے دو دو آدمیوں کو یعنی ایک بنی ہاشم اور دوسرے کو بنی امیہ سے لیکر ان کا موازنہ کریں تو دونوں کی معاشرت اور اطوار کا فرق عیاں ہو جائیگا اس کام کے لئے ہم بنی ہاشم سے عبد المطلب اور بنی امیہ سے حضرت ابو سفیان

کو انتخاب کرتے ہیں۔ اہل اطلاع سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عبد المطلب
بہادر مزاجی، صداقت دلی، رحیمی، راست بازی، سیر چشمی، فیاضی اور
نیک اندیشی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اس کے برعکس حضرت
ابوسفیان کو ان صفات سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ آپ ایک خود غرض، بدچشم
حریص، کینہ پرور، میخوار اور متفنی شخص تھے۔ منجملہ دیگر صفات حمیدہ کے
حضرت عبد المطلب کی سخاوت اس درجہ کی تھی کہ سائل کا سوال ختم ہونے
نہیں پاتا تھا کہ اس کے سوال کو پورا کر دینے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ ایسے
بھی اتفاقات پیش آئے ہیں کہ یہ سردار بنی ہاشم مال تجارت لے کر
ملک شام کو روانہ ہونے کو تھے کہ دروازہ سے نکلتے ہی سائل نے مال کثیر
کا سوال کیا۔ سوال کے سنتے ہی آپ نے اس کے سوال کو پورا کر دیا۔ اور
اس وقت تہی دستی کی وجہ سے سفر شام اختیار نہیں کر سکے۔ عبد المطلب کا
دشمن سے دشمن یہ نہیں دکھلا سکتا ہے کہ آپ نے کبھی کسی کا مال غصب کیا
یا میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے یا کسی کے ساتھ کسی طرح کا ظالمانہ
سلوک گوارا کیا یا کسی کی بدخواہی کی یا شراب پی یا زنا کیا وغیرہ وغیرہ
لاریب ایسے افعال قبیحہ ہرگز اس شخص سے سرزد نہیں ہو سکتے کہ جس کی
پشت مبارک سے نورین یعنی نور محمدؐ و نور علیؑ صلب حضرت عبد اللہ
اور صلب حضرت ابوطالب میں منتقل ہونے کو تھے۔ بلاشبہ حضرت
ابوسفیان ان خوبیوں کے بزرگ نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتاب کسی شخص کو
گالی دینے کے لئے نہیں لکھی جاتی ہے ورنہ موازنہ میں بہت کچھ مکروہ امور
کا اعادہ کرنا پڑتا۔ پھر اگر حضرت ابوسفیان کا موازنہ حضرت ابوطالب
کے ساتھ کیا جائے تو بھی کہنا پڑیگا کہ؏ چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا۔

اسی طرح اگر موازنہ حضرت معاویہ کا حضرت علیؑ کے ساتھ اور حضرت کے
صاحبزادے کا حسینؑ ابن علیؑ کے ساتھ کیا جائے تو بنی امیہ اور بنی ہاشم
کے قبیلوں کی معاشرت اور اطوار کا فرق شخص ناواقف پر روشن ہو جائیگا
آخر میں اگر مروان بن الحکم، عبد الملک بن مروان، ولید بن
عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک، یزید بن عبد الملک،
ہشام بن عبد الملک، ولید بن یزید بن عبد الملک کا
موازنہ امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ، امام جعفر صادقؑ و دیگر
آئمہ خاندان پیمبر علیہ السلام کے ساتھ کیا جائے تو بد و نیک کا فرق بیّن
طور پر بصورت پذیر ہوگا۔ قبیلہ بنی امیہ میں ایک شخص مروان دنیا بھر
کے اشرار کا جواب نظر آتا ہے پھر حکم ابن عاص، ولید بن عقبہ
وغیرہ قبیلہ بنی امیہ کے اطوار و کردار کے کیا کم نمونہ تھے، لاریب ان افراد
سے قبیلۂ بنی امیہ کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے حق یہ ہے کہ اس قبیلہ میں
عمر ابن عبد العزیز کے سوا عموماً ایسے ہی آدمی نظر آتے ہیں
جن کی نسبت آدمیت کو منسوب کرنا آدمیت کا خون کرنا ہے۔

عربوں کا مذہب اسلام سے پہلے

آنحضرت کے ظہور کے وقت ملک عرب میں تین مذہب موجود تھے
ایک مذہب کفار عرب کا تھا جو بیحد برے طور کی بت پرستی کا مذہب تھا
دوسرا عیسوی مذہب تھا جو نہایت خرابی کی حالت میں مبتلا ہو رہا تھا۔
اور ایسا خراب ہو رہا تھا کہ دین خدا باقی نہیں رہا تھا۔ تیسرا مذہب موسوی
تھا جو مذہب عیسوی کی طرح بدحالی کو پہونچ گیا تھا۔ المختصر سارا عرب

مذہبی اعتبار سے تمامتر مبتلائے ضلالت ہو چکا تھا ایسی حالت میں رحم
خداوندی کا یہی تقاضا تھا جو رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے۔ ع
ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا ❊ دعائے خلیل اور نوید مسیحا
مگر دین محمدی آسانی کے ساتھ فروغ نہ پکڑ سکا۔ مکہ میں رسول اللہ پر
بڑے بڑے مصائب گذرتے رہے وہی بنی امیہ خدا کی دشمنی پر استوار
رہے حضرت ابوطالب کی زیست تک تو آنحضرت کو ہلاک نہ کر سکے
مگر آپ کے عم محترم کی رحلت کے بعد بُت پرستان مکہ نے پورا سامان
آپ کی ہلاکت کا کر لیا۔ کفار مکہ میں حضرت رسالت مآبؐ کے بڑے
دشمن یہی بنی امیہ تھے۔ حضرت رسولؐ اللہ نے آخر کار بڑی دشواریوں
کے ساتھ مکہ کو چھوڑا اور مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ مدینہ والوں نے رسول اللہ
کا خیر مقدم کیا۔ اور دین خدا میں در آئے۔ رسول اللہ کے دین نے خلاف
توقع مدینہ میں نہایت مضبوطی کے ساتھ جڑ پکڑی اور وطن والے یعنی
اہل مکہ اس نعمت سے محروم رہے۔ خدا کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔
ع۔ ز خاکِ مکہ ابو جہل ایں چہ بو العجبی۔ آنحضرت نے مدینہ میں امن
تو لیا اور بہت سے مدینہ والے صدق دل سے مسلمان بھی ہوتے گئے
مگر اسلام کی یہ سرسبزی بنی امیہ اور دیگر کفار مکہ کے دلوں میں خار کی طرح
چبھنے لگی۔ حضرت رسولؐ خدا کی آزار دہی اور دین خدا کی تخریب کے لئے
بنی امیہ مستعد ہو گئے۔ لشکر لے لے کر چند بار حضرت ابو سفیان مدینہ کی
طرف بڑھے اور مسلمانان مدینہ سے لڑائیاں بھی لڑتے گئے مگر ہمیشہ ناکام
رہے خدا تعالیٰ نے اپنے دین کو خراب ہونے نہ دیا۔ آخر کار تھک کر
حضرت ابو سفیان اور دیگر کفار مکہ گھر بیٹھ رہے حنین کی لڑائی نے

بنی امیہ کو پورے طور پر زیر و زبر کر ڈالا اور شیطنت کی کچھ طاقت باقی
نہیں رہی۔ واضح ہو کہ بنی امیہ کے کمزور کر ڈالنے میں رسول اللہ کے
دس سال صرف ہوئے اور یہ آپ ہی کی فوجی اور تمدنی قابلیت
تھی جو ایسے سرکش اور ناہموار قبیلہ کی خبر لے سکے مگر افسوس بالائے
افسوس ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں آنحضرت کے اکابر اُمت کے ہاتھ
سے بنی امیہ نہ صرف اپنی کھوئی ہوئی قوت کو واپس پلٹ گئے بلکہ رفتہ
رفتہ تمام بلاد اسلام کے بادشاہ بن بیٹھے اور اسی بادشاہت کے
زور پر ان کا ایک بادشاہ اس خونریزی کا مرتکب ہو سکا جو ابتک واقعہ
کربلا کے نام سے مشہور ہے (دیکھو کتابیں فن تاریخ کی)
بنی امیہ کے قوی اور صاحب مُلک ہو جانے کے حالات کتب تاریخ
میں مندرج ہیں اور فقیر نے بھی اپنی کتاب کاشف الحقایق کی جلد
اول میں ان کا اعادہ کیا ہے اور آئندہ بھی اس کتاب میں اپنے محل
پر درج کئے جائیں گے مگر قبل اس کے کہ خود واقعہ کربلا کے حالات
حوالہ قلم ہوں ضرور ہے کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کے مذہبی معاملات
احاطۂ تحریر میں لائے جائیں تاکہ معاملۂ کربلا آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکے
ان امور کے درج کرنے کی یہ ضرورت ہے کہ ان سے ناواقف رہکر
کوئی شخص واقعہ کربلا کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا ہے۔ مثلاً
ایک ناواقف شخص بڑے تعجب کے ساتھ پوچھ سکتا ہے کہ الہیٰ یہ کیا ماجرا
ہے کہ حسینؑ جب رسول اللہؐ کے نواسے تھے تو ان کو مسلمانوں نے
اس بیرحمی کے ساتھ کیوں شہید کیا۔ مگر جب ایسے سائل کو حقیقت
حال سے اطلاع ہو جائے گی تو اس کا تعجب بالکل زائل ہو جائے گا

اور واقعہ کربلا سے قرین قوانین فطرت معلوم ہونے لگے گا۔ یہ عالم، عالم
اسباب ہے۔ یہاں ہر مسبّب کے لئے سبب کا ہونا ضروری ہے۔

عبادات اور معاملات کا طریقہ

عہد رسول اللہؐ میں پیروان اسلام کے عبادات و معاملات کا
وہی طریقہ ہوگا جو خود رسولؐ خدا کا ہوگا مثلاً اگر آپ ہاتھ باندھ کر
نماز پڑھتے ہوں گے تو سب مسلمان بھی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہوں گے
اسی پر حج و زکواۃ وغیرہ کو بھی قیاس کرنا چاہیے کہ تمام ارکان دین کی
تبعیت آنحضرت کے ساتھ ہوتی ہوگی۔ بیع و شریٰ اور دیگر معاملات
کا بھی یہی طور ہوگا کہ آپ کو جس طور پر مسلمان عامل ہوتے دیکھتے ہوں گے
ویسا ہی کرتے ہوں گے۔ کوئی شک نہیں کہ یہی طور آپ کے ساتھ آپ کی
اُمت کا آپ کی وفات کے قریب تک رہا۔ مگر جب آپؐ مرض الموت
میں مبتلا ہوئے اس وقت آپ سے اور آپ کے بعض اکابر امت سے
ظاہر طور پر دو بھاری اختلاف ظہور میں آئے ایک کو قصۂ قرطاس
کہتے ہیں اور دوسرا تخلفِ جیش اسامہ کہلاتا ہے۔ اول کی سرگذشت
یہ ہے کہ حسب (بیان صاحب شرح مواقف جو اکابر علمائے اہل
سنت سے ہے) رسول اللہ کی رحلت کا وقت قریب ہوا تو آنحضرت
نے اپنے حضار مجلس سے فرمایا۔ ایتُونی بِقرطاسٍ اَکتُبُ
لکم کتابًا لن تضلوا بعدہٗ یعنی میرے پاس کاغذ لاؤ
تاکہ ہم کچھ ایسی تحریر حوالۂ قلم کریں کہ جس سے بعد ہمارے تم گمراہ
نہ ہو جاؤ (دیکھو صحیح مسلم کتاب الوصایا و بخاری کتاب العلم کا باب العلم

صفحہ ۱۸ و مشکوٰۃ شریف بعد باب الکرامات) حضرت عمرؓ اس پر راضی
نہ ہوئے اور فرمایا اِنَّ الرَّجُلَ غَلَبَہُ الْوَجَعُ وَعِنْدَنَا
کِتَابُ اللّٰہِ حَسْبُنَا یعنی اس شخص پر بیماری کا درد غالب آیا ہے
درحالیکہ ہمارے پاس کتاب خدا کی ہے اور وہ ہم لوگوں کے لئے
کافی ہے۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں یہ حدیث اس طرح پر ہے۔
اِنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَدْ غَلَبَہُ الْوَجَعُ حَسْبُنَا
کِتَابُ اللّٰہِ اس جھگڑے میں آوازیں بلند ہوگئیں جس سے
رسول خدا نے بیزار ہوکر یہ فرمایا۔ قُوْمُوْا عَنِّیْ لَا یَنْبَغِیْ
عِنْدِیَ التَّنَازُعُ یعنی میرے پاس سے تم لوگ اٹھ جاؤ
میرے نزدیک لڑائی جھگڑا سزاوار نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ
رسول اللہ کوئی آخری تحریری حکم نہیں چھوڑ سکے۔ اس قصہ پر نظر
غور ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس وقت پورے طور پر
ہوش و حواس میں تھے اور موجودگی ہوش و حواس میں کچھ تحریر کرنا چاہتے
تھے۔ ہرگز ایسا نہ تھا کہ مغلوبِ مرض ہوکر نعوذ باللہ ہذیان کہنے
لگے تھے اس وقت بھی آپ ایسے پورے ہوش و حواس میں تھے کہ
اپنے کو نبی سمجھتے تھے اور سمجھ کے ساتھ اپنے رتبۂ نبوت کا اس قدر
امتیاز رکھتے تھے کہ اپنے سامنے شور و غل کا ہونا اپنی عظمت کے
خلاف جانتے تھے یہ نہیں معلوم کہ آپ کیا لکھ جانے کو تھے۔ مگر کوئی
ایسی ہی ضروری بات تھی کہ جس کو حوالۂ قلم کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات
ضرور دین کے ساتھ تعلق رکھتی تھی اور نہایت اہم انداز کی بھی تھی۔ ایسی
ہی اہم صورت تھی کہ اُمت کو گمراہی سے بچانے کی حیثیت رکھتی تھی۔

جیسا کہ آپ کے فرمودہ بالا سے عیاں ہوتا ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ
رسولؐ خدا علیؑ کو تحریری طور پر اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ اہل سنت
فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو تحریر کی رو سے اپنا خلیفہ گردانتے
تھے۔ مگر صد حیف جب کوئی تحریر وقوع میں نہ آسکی تو قیاس کے
سوا کوئی دوسرا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ اگر اہل سنت کا قیاس
عقیدہ یا بیان درست ہے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ بلکہ
تمام مسلمانوں پر بڑا ستم کیا۔ کس واسطے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ
رسولؐ خدا کی کسی تحریر کے مطابق خلیفہ قرار پاجاتے تو کسی مسلمان
کو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت سے انکار نہیں ہوسکتا تھا۔ ایسی صورت
میں خلافت کا کوئی جھگڑا اسلامی دنیا میں نہیں پیدا ہوسکتا تھا
جس سے تمام مسلمان ایک ہی مذہب کے پابند رہتے۔ شیعہ جو
کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا کو تحریری وسیلہ سے علیؑ کو اپنا خلیفہ بنانا
منظور تھا وہ اس رو سے کہ چند مہینے پیشتر آنحضرتؐ علیؑ کو زبانی
اور عملی طور پر خم غدیر میں اپنا جانشین بنا چکے تھے (دیکھو تاریخ
کی کتابیں) راقم آئندہ قصہ غدیر درج کتاب ہذا کرنے کو ہے
جس سے ظاہر ہوگا کہ شیعوں کا دعویٰ بے بنیاد نہیں معلوم ہوتا ہے
خیر حقیقت حال جو کچھ ہو ظاہر ایسا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت
عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی تحریری خلافت کے خلاف میں کوئی
مخالفانہ کارروائی اختیار کی ہوگی۔ اگر حضرت عمرؓ کو اس کا یقین
ہوتا کہ رسول خدا حضرت ابوبکرؓ کو تحریری طور پر اپنا خلیفہ بنانے
کو ہیں تو حضرت عمرؓ آنحضرت کو ایسی تحریر سے روکنے کے عوض

اور بھی ایسی تحریر کے اتمام پر آمادہ فرماتے۔ اس لئے کہ ایسی تحریر
کا انجام وہی ہوتا جو حضرت عمرؓ کی تائید سے سقیفۂ بنی ساعدہ میں
صورت پذیر ہوا۔ بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس کا
یقین تھا کہ حضرت رسولؐ خدا علیؑ ہی کو تحریری طور پر بھی اپنا خلیفہ
بنانا چاہتے ہیں جیسا کہ احمد بن ابی طاہر نے تاریخ بغداد میں حضرت
ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں خود حضرت عمرؓ
کی زبانی مذکور ہے کہ رسول اللہ حالت مرض میں علیؑ کے نام کی صراحت
کرنا چاہتے تھے لیکن میں مانع ہوا۔ اس لئے فرمودۂ رسولؐ سے آپ
مخالفت کی ضرورت پڑی۔ یہ امر کہ علیؑ خلافت سے دور پڑ جائیں اس کی
کوششیں حضرت عمرؓ کو ہمیشہ ملحوظ رہیں جیسا کہ آئندہ ظاہر ہوگا۔
یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ اپنی حیات میں حضرت عمرؓ نے علیؑ کو خلافت
سے پوری کامیابی کے ساتھ دور رکھا اور اپنے بعد بھی اپنی لاجواب
پولٹیکل قابلیت سے اپنا جانشین ہونے نہ دیا۔ کیا شک ہے کہ حضرت
رسولؐ اللہ کی ہدایت تحریری کا عمل میں نہ لایا جانا اہل اسلام کی بڑی
بدنصیبی سے خبر دیتا ہے۔ حیف بر اسلام و اہل اسلام۔ اِنَّا لِلّٰہِ
وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اگر ایسی تحریر عمل میں لائی گئی ہوتی تو اسلام
ہزاروں مفسدوں سے مامون رہتا اور آج تک جن نکبتوں میں مبتلا ہے
ان سے اُسے پوری نجات ملی رہتی۔

جیش اُسامہ کی مخالفت

دوسرا امر جو آنحضرتؐ کی رحلت کے قریب واقع ہوا اور جس نے

رسول اللہؐ کے ارادے کو پورا ہونے نہ دیا وہ جیش اُسامہ سے تعلق رکھتا ہے
رسولِ اللہؐ نے اُسامہ کی سرکردگی میں کفار کے مقابلہ کو لشکر بھیجنا چاہا تھا
اور اس قدر آپ کو اس امر میں کد تھی کہ آپ نے یہ فرمایا کہ جو لشکر اُسامہ
کی شرکت سے اختلاف کریگا وہ مورد لعنت ہوگا (دیکھو ملل و نحل علامہ
شہرستانی اَلْخِلَافُ الثَّانِیْ فِیْ مَرَضِہٖ قَالَ جَهِّزُوْا جَیْشَ
اُسَامَةَ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا اور بھی دیکھو شرح
مواقف کا آخر جو تذییل الکتاب کے عنوان سے لکھا گیا ہے صفحہ ۷۴۶
مطبوعہ نولکشور) بلاشبہہ اگر آپ کچھ روز اور بھی زندہ رہتے تو یہ
لشکر اُسامہ کی کمان میں اعدائے اسلام کی طرف روانہ ہوجاتا۔ مگر
بعض اکابر صحابی اور دیگر مسلمانان وقت نے بھی اس سے پوری مخالفت
کی۔ اس لئے جیش اُسامہ بمقابلہ کفار کے روانہ نہ ہوسکا اور رسولِ اللہؐ
کو اپنے ارادے میں ناکامی مرتب ہوئی۔ تعجب ہے کہ ان حضرات
مسلمانوں نے مورد لعنت ہونا گوارا کیا اور گھر بیٹھے رہے۔ یہ کس طرح
کا ایمان ہے کہ رسولِ اللہؐ تاکید اکید کے ساتھ کسی امر کے لئے حکم
دیں اور وہ حکم نہ بجالایا جائے۔ کوئی شک نہیں کہ اس نافرمانی
کا کوئی سبب خاص تھا۔ ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر اُسامہ
لشکر اسلام لیکر کفار کی جانب چل نکلتے تو سقیفۂ بنی ساعدہ کا
اجتماع ظہور میں نہ آسکتا اور یقیناً امر خلافت کسی اور پہلو پر قرار لیتا۔
المختصر یہی دو قصے رسول اللہ کے عہد کے ایسے ہیں جو آپ کی رحلت
کے قریب میں واقع ہوئے اور بانی اسلام اور پیروانِ اسلام کے
درمیان مخالفت سخت کا نقشہ دکھلاتے ہیں۔ ان دو قصوں کے

علاوہ کوئی اور اہم قصہ تخالف کا اُس زمانہ میں نظر نہیں آتا ہے
مگر آپ کی رحلت کے بعد تو مسلمانوں میں بڑی پھوٹ پڑی جیسا کہ
عبادات و معاملات میں اس وقت بھی اہل اسلام اختلاف
باخود ماہین گرفتار نظر آتے ہیں۔ پہلا اختلاف مسلمانوں میں جو
آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد ہی پیدا ہوا امر خلافت تھا۔ مہاجرین
مکہ اور انصار مدینہ میں خلافت کا جھگڑا اٹھا۔ انصار کہنے لگے۔
مِنَّا اَمِیْرٌ وَّمِنْکُمْ اَمِیْرٌ۔ یعنی اے مہاجرین ایک تم میں سے
اور ایک ہم میں سے امیر مقرر کیا جائے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے انصار
سے یہ بات کہی کہ کیا تم نے رسولِ اللہؐ سے نہیں سنا ہے آپ نے فرمایا
ہے کہ میرا جانشین قریش کا آدمی ہوگا۔ اس پر انصار ساکت ہوگئے
تب حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ نے خلیفہ بنانا چاہا۔ مگر حضرت
ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ ہونے کے واسطے ارشاد فرمایا۔ حضرت
عمرؓ نے خلیفہ ہونا قبول نہیں کیا اور فوراً حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بناکر
ان کے دست مبارک پر بیعت فرمائی۔ (دیکھو بخاری شریف
کتاب المحاربین من اهل الکفر والردہ باب رجم
الحبلی من الزنا اذا احصنت و فتح الباری وغیرہ) انہی کے
ساتھ جو لوگ اس وقت سقیفۂ بنی ساعدہ میں موجود تھے حضرت
ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرتے گئے۔ یوں تو قصہ خلافت کا سقیفہ
ہی میں طے پاگیا۔ مگر بنی ہاشم وہاں نہ تھے اس لئے بنی ہاشم کی
طرف سے اہلِ سقیفہ کو پورے طور پر اندیشہ لگا ہوا تھا۔ مگر چونکہ
ان کے سردار علیؑ ابن ابی طالب کسی سخت کارروائی کی طرف

متوجہ نہیں معلوم ہوئے جس کا اصلی سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی رحلت
کے قریب حضرت رسولؐ اللہ نے آپ کو سمجھا دیا تھا کہ میرے بعد تم
فوری طور پر اپنے مخالفین کے مقابلہ میں تلوار نہ کھینچنا تاکہ اسلام
جو اس وقت ایک ابتدائی حالت میں تھا برباد نہ ہو جائے بنی ہاشم
بھی بہ تبعیت علیؑ خاموش ہو رہے۔ اس پر بھی یہ بات اہل سقیفہ
کی طرف سے مناسب سمجھی گئی کہ علیؑ سے بیعت لی جائے چنانچہ حضرت
عمرؓ ابن خطاب رضی اللہ عنہ علیؑ کے پاس گئے اور علیؑ کو حضرت
ابو بکرؓ کے حضور میں لے آئے۔ اس جلسہ میں علیؑ نے حضرت ابو بکرؓ سے
یہ کہا کہ آپ نے انصار کو یہ کہکر کہ حدیث نبوی کی رو سے شخص قریش کو
خلیفہ ہونا چاہئے۔ انصار سے حصول حق فرمایا۔ اب آپ سے میں طالب
داد ہوتا ہوں کہ جو داد آپ نے انصار سے پائی ہے وہی داد اب آپ
مجھے دیجئے میں قریش ہوں ہاشمی ہوں برادر رسولؐ اللہ ہوں داماد
رسولؐ اللہ ہوں وغیرہ وغیرہ۔ (دیکھو روضۃ الاحباب جلد دوم
صفحہ ۳۳ و ۳۴) اس کا جواب ہی کیا تھا جو اہل خلافت کی طرف سے
ملتا۔ بہرحال جب علیؑ سے بیعت کے لئے ارشاد کیا گیا تو علیؑ نے
بیعت نہیں کی۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ علیؑ نے بی بی فاطمہؓ کی رحلت
کے بعد بیعت کی (دیکھو صحیح مسلم صفحہ ۱۲۵) مگر شیعہ بیعت سے
تمامتر انکار رکھتے ہیں راقم کو حضرت علیؑ کے تمام معاملات ملکی و
مالی و اخلاقی پر نظر غور ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ
نے حضرت فاطمہؓ کی رحلت کے بعد بھی حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر
بیعت خلافت یا اور کسی قسم کی بیعت نہیں کی۔ کس واسطے کہ آپ

نہایت سچے اور صاف دل آدمی تھے۔ اگر کسی قسم کی بیعت کی ہوتی تو
اپنے خطبۂ شقشقیہ میں حضرت ابو بکر کی خلافت پر حضرت ابو بکر کے بعد
اس قدر کی سخت بیزاری نہ دکھلائی ہوتی اور نہ اس طرح کا اظہار ملال
کیا ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت معاویہ نے کسی شخص پر دست بیعت
ہونے کے بعد اس کی نسبت اس طرح کی تقریر اختیار فرمائی ہوتی تو
یہ آپ کی ذات بابرکات سے کوئی امر بعید متصور نہیں ہو سکتا تھا
اس لئے کہ اقتضاء طبیعت سے عند الضرورت حضرت خال المومنین
ہر طرح کی قولی اور فعلی کارروائی کے اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتے
تھے۔ یوں تو حضرت معاویہ تمامتر ساختہ و پرداختہ حضرت خلیفہ اول
صاحب کے تھے لیکن اگر وقت آپڑتا تو ذاتی نفع کے مقابلہ میں
حضرت خلیفہ کے برخلاف دو ہزار خطبے ارشاد فرما سکتے تھے یہی طور
حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کا بھی نظر آتا ہے جیسا کہ آپ ہر دو
بزرگوار نے اس کو کر کے دکھلا بھی دیا یعنی علیؑ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی
اور فوراً نکث بیعت کر کے خلیفۂ وقت کے مقابلہ میں نبرد آزما بھی ہو گئے
مگر حضرت علیؑ کا کیرکٹر یعنی انداز طبیعت ہرگز اس کا مقتضی نہیں
ہو سکتا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر آپ بیعت کرتے اور پھر
وقت پاکر حضرت ابو بکر کی خلافت کو بلائے تیرۂ و تار قرار دے کر
اس طرح پر اظہار بیزاری فرماتے جیسا کہ خطبۂ بالا میں دیکھا جاتا ہے
اور جیسا کہ آئندہ آنے کو ہے۔ جس شخص نے حضرت علیؑ کے
اطوار پر نظر غور ڈالی ہے وہ بخوبی کہہ سکتا ہے کہ آپ سراسر معدن
صدق و صفا تھے۔ اور آپ ہرگز ایسے نہ تھے کہ حضرت ابو بکر

کے ہاتھ پر بیعت فرماتے اور پھر حضرت ابوبکر کے خلاف میں کسی وقت
بعد کی بیزاری کے الفاظ زبان پر لاتے۔ پس اس معاملۂ بیعت پر
لحاظ کرنے سے صاف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خاتونِ جنت
علیہا الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد بھی حضرت علیؑ نے حضرت
ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی یہاں پر مجھے اس سے کوئی بحث نہیں
ہے کہ خلافت حق طور پر قائم ہوئی یا نہیں۔ یہاں پر صرف یہ دیکھنا
ہے کہ اس خلافت کا اثر آلِ محمدؐ پر کیا ہوا۔ فوری اثر تو یہ ہوا کہ
بنی ہاشم سے حکومت دور ہو گئی جس کے باعث جو منزلت آلِ محمد
کی عہدِ رسولؐ خدا میں تھی باقی نہ رہی۔ میری دانست میں آلِ محمدؐ کے
ظاہری تنزل کی فعلی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ ہم
دکھلا سکیں گے کہ آلِ محمدؐ کی بے توقیریاں بڑھتے بڑھتے اس درجہ
تک پہونچ گئیں کہ کربلا کی بے ادبیوں کے بعد اہلِ حرم دمشق
کے کوچہ و بازار میں بڑی بیرحمی کے ساتھ تشہیر کئے گئے۔ اور
اس کے بعد بھی خونِ آئمہ خاندانِ پیغمبرؐ کا ہوتا رہا اور سادات
کشیاں بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ ہوتی رہیں۔ مجھ کو اس
سے یہاں بحث نہیں ہے کہ آلِ محمدؐ ان بے اعتنائیوں کے
مستحق تھے یا نہیں۔ مگر کوئی شک نہیں کہ سخت سے سخت
کارروائیاں آلِ محمدؐ کے خلاف میں ہوتی گئیں جن کی شاہد سیر
و تاریخ کی کتابیں دیکھی جاتی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

ادب پرستوں اور علم دوستوں میں یہ خیال عام ہے کہ حیدرآباد کی
فضا صحافت اور اشاعتی اداروں کے لئے سازگار نہیں ہے اس کا سبب
یہ نہیں ہے کہ یہاں اربابِ ذوق کی کمی ہے یا دیدہ ور ادیبوں،
دانشوروں اور انشاپردازوں کا کال ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اپنوں
سے بے اعتنائی خاک دکن کی خمیر میں گندھی ہوئی ہے شاید یہی
وجہ ہے کہ پچھلے برسوں میں جو بھی ادارے اشاعتی اغراض و مقاصد
سے وجود میں آئے ابنائے وطن کی ناقدری اور سرد مہری کے ہاتھوں
مٹ مٹا گئے۔

یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ حیدرآباد میں ملتِ جعفری کا
کوئی نمائندہ ادارۂ اشاعت نہیں ہے۔ اس کمی کا باشعور افرادِ ملت
کو ہمیشہ احساس رہا لیکن حالات اور اس مخصوص ذہنیت کے پیشِ نظر
جس کا اوپر ذکر کیا گیا کسی کو بھی اشاعتی ادارہ قائم کرنے کی ہمت
نہیں ہوئی۔

ادارۂ کاظمی نے پہلی مرتبہ جب دینی خدمت کے عظیم مقصد کے ساتھ
زیرِ نظر کتاب کی اشاعت کی ابتدا کی تو ادارے کے اس اقدام کو بعض

حلقوں نے سراہا لیکن بعض گوشوں میں ادارے کی نیت کے بارے میں چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ چہ میگوئیاں کسی مخصوص ادارے سے متعلق ان کے ذاتی تجربے کی صدائے بازگشت ہوں لیکن آزمائش سے پہلے کسی کے خلوص عمل کو بہ نظر اشتباہ دیکھنا بھلمنساہت کے آئین کے مطابق نہیں کہا جا سکتا کسی کے حسن نیت کی بہترین کسوٹی اس کا عمل ہے۔ آپ ادارے کو خدمت کا موقع دیجیے خود رکن بن کر اس کی سرپرستی کیجیے دوسروں کو اس کا رکن بنائیے اللہ پاک نے چاہا تو انجام کار ادارے کی نیت آپ کے خلوص کی آگ میں تپ تپا کر ایسی نکھر جائے گی کہ کسی کو شکایت کا کوئی موقع نہ رہے گا۔

خادم

سید غضنفر علی نقوی

۱۳ ستمبر ۱۹۶۸ء

"حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ"

صحیح بخاری شریف کی روشنی میں

واضح ہو کہ یوں تو عملی طور پر تو ہین آل محمدؐ کی ابتدائے امر خلافت سے ظہور میں آئی مگر در اصل اس کی ابتدا کی صورت حضرت عمرؓ ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے قول معروف یعنی حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ سے ہوئی یہ قولی ایسی ابتداء ہے کہ جس انواع و اقسام کے ایسے امور اسلام کو پیش آتے گئے کہ جو پیغمبرؐ خدا کے عہد کے مسلمانوں کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے ہونگے۔ ہر چند رسولؐ اللہ نے اپنی رحلت کے قریب یہ فرمایا کہ ہم تم میں دو امر بزرگ چھوڑے جاتے ہیں یہ ایسے ہیں کہ اگر تم ان سے متمسک رہوگے تو میرے بعد ہرگز تم گمراہ نہ ہوگے اور وہ دونوں امر بزرگ "قرآن اور میرے اہل بیتؑ ہیں" مگر شان کبریائی سے حضرت عمر ابن الخطاب کے قول حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کے عشر عشیر کے برابر بھی یہ قول نبوی عملی تاثیر نہیں پیدا کر سکا۔ یہ قول نبوی جو فریقین کے نزدیک مستند ہے حدیث اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلُ بَیْتِیْ (دیکھو تحفۂ اثنا عشریہ

شاہ عبدالعزیز صاحب تمۃ الباب باب چہارم صفحہ ۲۰۱) لاریب
یہ اُس ذات پاک کا قول ہے جس کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے
کہ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔
یعنی حضرت محمدؐ بے سروپا تقاضائے نفسانیت سے باتیں نہیں
کرتے ہیں۔ آپ مورد وحی ہیں۔ وحی خداوندی ہی کے مطابق
آپ کے ارشادات ہوتے ہیں اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں
ہے کہ ایسی ہی حدیث ہے کہ جس کی نسبت اپنے تحفہ میں جناب
شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ
"در مقامات دین واحکام شرعی مارا پیمبر حوالہ بہ این دو چیز
عظیم القدر فرمودہ است پس مذہبے کہ مخالف این دو باشد
در امور شرعیہ عقیدتاً وعملاً نامعتبر ست وہر کہ از کار این دو
بزرگ نماید گمراہ وخارج از دین باشد" دیکھو تحفہ شاہ صاحب
باب چہارم صفحہ ۲۰۱) لاریب حکم نبوی ایسا ہی تھا کہ امت
محمدی ضرور قرآن اور عترت نبویؐ کی متمسک ہو مگر امت محمدی
کس قدر اس حکم کی متمسک ہوئی راقم اس کو دکھلانے کو ہے ہیں
اس جگہ اس سے کوئی بحث نہیں رکھتا ہوں کہ حضرت عمر
ابن الخطاب کا قول "حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ" اچھا تھا یا بُرا
مگر اس کی تاثیر پہ نظر ڈالنا اس کتاب کے احاطۂ مقاصد سے ہے
ظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر حسب قول نبویؐ تمسک
بالقرآن کے ساتھ تمسک بالعترت بھی ایک ضروری امر سمجھا
جاتا تو اس وقت کی اسلام کی تاریخ نے واقعات مذہبی وملکی

کے اعتبار سے ایک دوسرا رنگ پیدا کیا ہوتا۔ مگر حضرت عمرؓ
کے صرف ان تین چار لفظوں نے ایک ایسی نئی اسلامی دنیا
قائم کر دی ہے کہ آج تک بڑے زوروں کے ساتھ قایم ہے
ہر چند حضرت رسولؐ کا قول بڑی تاکید سے خبر دیتا ہے مگر
حضرت عمرؓ کے قول بالا نے قول نبویؐ کو عملی پیرایہ حاصل
ہونے نہ دیا جس کے باعث ارشاد نبویؐ ایک قولی حیثیت تک
محدود رہ گیا۔ اگر قول نبویؐ کو کامیابی نصیب ہوتی تو نہ سقیفہ
بنی ساعدہ کا اجماع ظہور میں آتا نہ بنی ہاشم کو طرح طرح کی مصیبتیں
پیش آتیں نہ بنی ہاشم کی عظمت میں کسی طرح کا فتور پڑتا نہ بنی ہاشم
کے عقائد کے خلاف مذاہب ایجاد ہوتے اور نہ وہ واقعات
عظیم ظہور میں آتے جو شہادت علیؑ وشہادت حسنؑ وشہادت
حسینؑ وشہادت دیگر آل محمدؐ ودوستداران آل محمدؐ پر مشتمل
دیکھے جاتے ہیں۔ ظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ قول "حسبنا
کتابُ اللہِ" نے عامۂ مسلمانان کو تمسک عترت نبوی سے آزاد
کر دیا اور گو حدیث ثقلین بقول صاحب تحفہ فریقین کی ایک
مقبولہ حدیث ہے مگر اس حدیث پر عامۂ مسلمانان یعنی مسلمانان
غیر امامیہ کا نہ کبھی سابق میں عملدرآمد رہا ہے اور نہ آج ہے۔ یہ
حدیث نبویؐ ڈیڈ لیٹر (Dead Letter) یعنی ایک قول مردہ
کی طرح کتابوں میں حوالۂ قلم پائی جاتی ہے اور اس سے زیادہ
حیثیت کبھی اس کو حاصل نہیں رہی ہے چنانچہ اہل واقفیت سے
پوشیدہ نہیں ہے کہ رسول اللہ کے رحلت فرماتے ہی بنی ہاشم

اور دوستداران بنی ہاشم کے سوا عامہ مسلمانان سے کوئی بھی
عترتِ محمدؐ کا متمسک نہیں ہوا۔ عترت محمدؐ سے مراد فاطمہؑ علیؑ
حسنؑ اور حسینؑ ہیں ان چہار تن کے ساتھ عامہ مسلمانان نے
پیمبرؐ صاحب کی رحلت کے بعد کیا تمسک کی کارروائی اختیار
کی کسی کتاب سے کچھ پتہ نہیں لگتا۔ ابھی رسولؐ اللہ دفن
بھی نہیں ہوئے تھے کہ سقیفہ کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس معاملہ
کو کوئی شخص صحیح الحواس تمسک بالعترت قرار نہیں دے سکتا
یہ ہنگامہ تو فوری نتیجہ قول "عِندَنَا کِتَابُ اللّٰہِ حَسبُنَا"
کا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہی علیؑ سے حصول بیعت کا ہنگامہ
بی بی فاطمہؑ کے گھر پر قصدِ احراق کے ساتھ مخالفانہ چڑھائی قصہ
فدک کی بے سروپا کارروائیاں۔ علیؑ و فاطمہؑ سے بے ادبانہ
خطابات وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کے سب ایسے وحشت انگیز
معاملات ہیں جو مرد حق پسند کے نزدیک تمسک بالعترت سے
منزلوں دور نظر آتے ہیں۔ اسی طرح جتنے معاملات خلافت ہائے
حضرات ثلثہ رضوان اللہ علیہم کے دیکھے جاتے ہیں عترتِ نبویؐ
کے تمسک سے تمام تر بے لگاؤ پائے جاتے ہیں۔ قرآن کو جمع کرنے
میں خلافت اولیٰ کی طرف سے کیا۔ تمسک علی مرتضیٰؑ کے ساتھ
ظہور میں آیا۔ اجتہادات مسائل میں خلافت ثانیہ کس طرح پر
علیؑ مرتضیٰ کی متمسک ہوئی۔ خلافت ثالثہ میں حدیث ثقلین
کی کیا پیروی کی گئی۔ امام حسنؑ کے متمسک مسلمانان وقت کس
وضع پہ ہوئے۔ خلیفۂ وقت حضرت معاویہ کی کارروائیوں نے

عترت سے کیا تعلق رکھا۔ آپ کے جانشین حضرت یزید
نے بہ نسبت حدیث بالا کی کی۔ اسی طرح امام عسکریؑ تک اس
فرمودۂ رسولؐ اللہ کی تعمیل کیا کیا ہوتی گئی۔ ظاہرا تو ایسا ہی معلوم
ہوتا ہے کہ رسولؐ اللہ کے بعد تمسک بالعترت کا مضمون بھولے
سے بھی کسی کو نہیں یاد آیا۔ پیمبرؐ صاحب کے بعد کے ہر عہد کی کارروائیاں
ایسی ہی دکھائی پڑتی ہیں جو تمسک بالعترت سے ذرہ بھر بھی علاقہ
نہیں رکھتی ہیں اور جب ہوا تو یہی ہوا کہ بڑی ناانصافی کے ساتھ
اہلبیتؑ نبوی محکوم بنائے گئے۔ بڑی بے رحمیوں سے مختلف عہدوں
میں اُن کے خون پانی کی طرح بہائے گئے ان کے ذی علم اور باخبر ہونے
پر بھی ان کے ائمہؑ کے احکام اور روایات سے علمائے غیر امامیہ کنارہ کش
رہے اور آج بھی کنارہ کش ہیں۔ ان امور کی تفصیل آیندہ حوالہ
قلم ہونے کو ہے۔ اے حضرات حق پسند کیا انہی کارروائیوں کو تمسک
بالعترت کہتے ہیں؟ حق یہ ہے کہ تمسک بالعترت کا مضمون مسلمانان
غیر امامیہ کے لئے ایک مردہ قول نبوی کا حکم رکھتا ہے۔ کتابوں کے
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان غیر امامیہ از وقت حضرت خلیفہ اول
تا ایندم حَسبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کے متمسک رہے ہیں اور یہ وہ قول
ہے کہ جس نے اہلبیتؑ نبویؐ کے نابود کر ڈالنے میں کوئی دقیقہ اٹھا
نہیں رکھا اور بھی اہلبیتؑ نبویؐ کی علٰحدگی کے ساتھ ایک ایسے مذہب
خاص کی بنا ڈالی کہ جس میں تمام غیر امامیہ داخل ہیں اور یہ غیر امامیہ
بہت سے فرقے ہیں کہ جن کا ذکر غنیۃ الطالبین میں حضرت پیران پیر
عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے نام بنام فرمایا ہے۔ اس قول

حَسبُنا کِتابُ اللّٰہِ کی بدولت ایک بڑا تفرقہ عقیدہ کا جو
درمیان امامیہ اور غیر امامیہ کے پیدا ہو گیا ہے وہ مشتمل مسئلہ امامت پہ
ہے جو شیعوں کے نزدیک اصولِ عقائد میں داخل ہے اور غیر امامیہ
اس کو فروعی جانتے ہیں۔ دونوں فرقوں کے اختلاف عقیدے کی
وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ امامیہ حدیث ثقلین کے متمسک ہونے کی
وجہ سے امامت کو ایک امر من جانب اللہ جانتے ہیں اور اس پہ
یہ دلیل رکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ دنیا سے رحلت فرما گئے تو
حسبِ ارشادِ نبویؐ جو درحقیقت حکم خدا ہے اُن کی عترت اُن کی
قائم مقام ہو گئی۔ پس یہ قائم مقامی آپ کی عترت کی من جانب اللہ
ہونے کے سوا کوئی اور حیثیت نہیں رکھ سکتی ہے اور امر واقعی بھی
ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کی عترت داخل ثقلین ہے تو
اس کی حیثیت کے من جانب اللہ ہونے میں کیا گفتگو ہو سکتی ہے۔
اس حدیث کی رو سے آپ کی عترت یا قرآن کے برابر ہے یا قرآن سے
کم۔ تنزلاً اگر قرآن سے کم بھی ہے تو اتنی ضرور ہے کہ دوام بزرگ سے
ایک امر بزرگ ہے اس تنزلی پر بھی یہ عترت آپ کی ایسی نہیں معلوم
ہوتی کہ بالکل چھوڑ دی جائے اور قرآن کے ساتھ اختیار نہ کی جائے
حق تو یہ ہے کہ قرآن اور اہل بیتؑ نبوی ایک دوسرے سے جدا نہیں
ہو سکتے۔ راقم کی تجویز میں عترتِ نبیؐ قرآن سے افضل ہے۔ اسلئے
کہ قرآن قرآنِ صامت ہے اور عترتِ نبی قرآن ناطق ہے۔ حضرت
علی علیہ السلام کا اپنے کو قرآنِ ناطق فرمانا مرد مومن کے لئے افضلیت
عترت کی بڑی دلیل متصور ہے۔ اس سے وہی انکار کر سکتا ہے جو

علیؑ کا حارب یا مخالف ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حدیث ثقلین اس بات
کی ہادی نظر آتی ہے کہ امامت ایک امر من جانب اللہ مانی جائے۔
فرقہ غیر امامیہ جو امامت کو ایک فروعی امر سمجھتا ہے اس کی وجہ یہ
معلوم ہوتی ہے کہ قول حَسبُنا کِتابُ اللّٰہِ کی تبعیت سے وہ مضمون
امامت جو رسول اللہ کے لفظ ثقلین پر مبنی ہے بالکل نادار ہو جاتا ہے
پس امامت من جانب اللہ اگر اس قول کی بدولت لاشے مانی جاتی ہے
تو کوئی جائے تعجب نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب امامت ایک امر من جانب
اللہ نہیں قرار دی گئی تو فرقہ غیر امامیہ کے عقیدے کے مطابق ائمہ اثنا عشر
کی امامت ائمہ اربعہ کی امامت سے کوئی موقر تر درجہ نہیں رکھ سکتی ہے
بلکہ ائمہ اربعہ کی امامت بدرجہا فرقہ غیر امامیہ کے نزدیک زیادہ
قابل امتیاز ہے۔ اس لئے کہ ان مجتہدین سے اس فرقہ کی فقہی ضرورتیں
تمامتر متعلق ہیں۔ برخلاف ائمہ اثنا عشر کے کہ جن سے اس فرقہ کو
نہ اصولی اور نہ فروعی تعلق حاصل ہے۔ اس فرقہ کے نزدیک ائمہ
اثنا عشر کی اماموں کو امام غزالی اور امام فخر رازی کی اماموں سے
ممتاز تر حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ المختصر قول "حسبُنا کتاب اللّٰہ"
سے جب امامت قرار پا سکتی ہے تو من جانب الناس قرار پا سکتی ہے
جیسا کہ فرقہ غیر امامیہ کے ائمہ عموماً من جانب الناس کی حیثیت رکھا
کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت عمرؓ ابن الخطاب کے
اس قول نے بڑی کامیابی پیدا کی۔ اس قول نے عملی طور پر حدیث
ثقلین کو باطل کر ڈالا۔ بہت بڑا حصہ حضرت عمر ابن الخطاب کے
عہد کے مسلمانوں کا اور بھی آپ کے بعد کے زمانوں کے مسلمانوں کا

حتیٰ کہ اس عہد کے مسلمانوں کا اس قول کی تبعیت کی بدولت امور
اصولی اور فروعی میں تمسک اہل بیتؑ نبوی سے کنارہ کش دیکھا جاتا
ہے اور اگر اس قول کے تابعین کو تمسک اہل بیتؑ نبوی کا دعویٰ
ہے بھی تو صرف زبانی دعویٰ ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے
اس لئے کہ جب صرف تمسک بالقرآن کی ہدایت قول حسبنا کتاب اللہ
سے ظہور میں آئے تو اہل بیت نبوی سے بے سروکاری اس کا ایک
فطری نتیجہ متصور ہے۔ اس کے برخلاف معاملہ اُن مسلمانوں کا ہے جو
حکم نبوی کے مطابق قرآن کے ساتھ اہل بیت نبوی کے بھی متمسک
ہونے کو فرض سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے مسلمانوں کو اہل بیتؑ نبوی
سے کنارہ کشی کرنے کی کیا صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسے مسلمان
آج تک ہر امر میں متمسک بہ اہل بیت نبوی ہیں اور دل سے ارشاد
نبوی کے بجالانے والے ہیں۔ لیکن ایسے مسلمانوں کی تعداد ابتدا میں
بہت کم تھی اور آج بھی بہت نہیں ہے۔

مذہب امامیہ اور مذہب غیر امامیہ کی ابتداء

راقم کی دانست میں وہ امر کہ جس سے مسلمانوں میں مذہبی تفرقہ
کی ابتدا ہوئی اور جو درحقیقت تفرقہ کے تخم کا حکم رکھتا ہے وہی
قول بالا یعنی "حسبنا کتاب اللہ" ہے۔ اگر یہ قول حضرت عمرؓ
کی زبان مبارک تک نہ آیا ہوتا تو ہر مسلمان رسول اللہ کی رحلت کے
بعد آنحضرت کے ارشاد کے مطابق قرآن اور عترت رسولؐ کا یکساں
طور پر متمسک ہوتا مگر اس قول نے بہ تعداد کثیر مسلمانوں کو عترت

رسولؐ کے تمسک سے کنارہ کش کر دیا۔ بہت تھوڑے مسلمان قول
نبوی کے متمسک ہوئے اور یہ وہ لوگ تھے جو یا خود بنی ہاشم
یا بنی ہاشم کے دوستدار تھے کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے
کہ ان متمسکان قول نبوی نے متمسکانِ قول عمری سے اپنے کیسے لگاؤ
رکھا صرف امر خلافت ہی میں متمسکانِ قول عمری کا ساتھ نہیں دیا
بلکہ ہر مذہبی معاملہ میں ان سے کنارہ رہے۔ چنانچہ جب حضرت
خلیفہ اول کے وقت میں حضرت کے حکم سے قرآن جمع کیا جانے لگا
تو یہ لوگ جامعان قرآن کی مجلسوں سے علٰحدہ رہے اور اسی طرح جب
حضرت عمر کے وقت میں حضرت کے حکم سے اجتہادات مسائل عمل
میں لائے جانے لگے تو اجتہادات کی کمیٹی سے بھی دور رہے۔ مختصر یہ
ہے کہ متمسک قول نبوی ہونے کے سبب سے وہ قلیل التعداد اشخاص
ہر امر میں صرف پیروی عترت رسولؐ کرتے گئے۔ چنانچہ جو کچھ شرع
کے احکام حضرت علیؑ بیان فرماتے تھے انہی کی تبعیت یہ متمسکان
قول نبیؐ کیا کرتے تھے امور بالا واضح طور پہ دکھلاتے ہیں کہ قول
عمریؓ نے جو پھوٹ کی راہ رسول اللہ کی وفات کے قریب نکالی تھی
مرور ایام سے اس میں ترقی ہوتی چلی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ دو مذہب
مسلمانوں کے پورے طور پہ قائم ہو گئے۔ ایک وہ جس کی ابتدا حدیث
ثقلین سے ہوئی اور دوسرا وہ جس نے قول حسبنا کتاب اللہ
سے آغاز پکڑا۔ جو مذہب کہ تبعیت ثقلین پر مبنی ہے وہی مذہب
امامیہ ہے۔ اس لئے کہ تمسک بہ اہل بیتؑ نبوی کا فطری نتیجہ اس کے
سوا دوسرا نہیں ہو سکتا ہے کہ امامانِ خاندانِ پیغمبرؐ کے سوا کسی اور

خاندان یا قوم یا مذہب کے اماموں کی اقتدا کی جائے۔ اسی طرح جس مذہب کی بنا قول حَسۡبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ پر قائم ہوئی اس کے لئے اس سے چارہ نہ تھا کہ اس کے پیرو غیر اہل بیت کی محکومیت اختیار کریں اور تمام امور مذہبی میں ائمہ غیر اہل بیتؑ کے اجتہادات پر عمل درآمد رکھیں۔ پس جیسا کہ کتب فریقین سے ثابت ہوتا ہے یہ وہی مذہب ہے جو مذہب دوسری صدی ہجری میں مذہب اہل سنت کہلایا اور جس کو کسی طرح کا خفیف برابر بھی تعلق ائمہ خاندان پیمبرؐ کے مذہب کے ساتھ نہیں ہے۔ ان امور کی وضاحت آئندہ ہونے کو ہے۔ جاننا چاہیئے کہ جب بوضع بالا مسلمانوں میں رسولؐ اللہ کی وفات کے قریب پھوٹ کی ابتدا ہوئی اور اشخاص غیر بنی ہاشم بعدازاں عترت نبوی سے کنارہ کشی کرکے اجتہادات مسائل آزادی کے ساتھ کرنے لگے تب ایک مذہب حضرات اہل بیت کے مذہب سے علیحدہ قائم ہوگیا یہ مذہب حضرت عمرؓ کی قائم کردہ اجتہادی کمیٹی کی بدولت ظہور میں آیا مگر آپ کے وقت میں اس نے کوئی خاص لقب یا نام نہیں حاصل کیا اور نہ اس کو حضرت عثمان کے عہد میں کسی طرح کا امتیازی لقب نصیب ہوا۔ اسی طرح حضرت معاویہ کے عہد خلافت میں یہ مذہب بے نام رہا۔ مگر آپ کے بعد دوسری صدی ہجری کی ابتدا میں اس مذہب کے پیرووں نے اس مذہب کو السنت والجماعت کے نام سے ملقب کیا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے اس سنہ کا نام جس میں آپ نے امام حسنؑ سے خلع خلافت فرمایا تھا عام الجماعت اور جس سنہ میں آپ نے حضرت

علیؑ پر تبرا جاری کیا تھا اس کا نام عام السنت رکھا۔ بس مخالفین عترت نبوی از قسم خوارج و نواصب و معتزلہ وغیرہ جو عہد حکومت معاویہ ابن ابی سفیان برابر علیؑ کے ساتھ دلی خلاف رکھتے چلے آئے تھے دوسری صدی ہجری میں اپنے کو اہل السنت والجماعت کہنے لگے اور یہ اس غرض سے کہ حضرت معاویہ کی صلح جو امام حسنؑ کے ساتھ عمل میں آئی تھی اور علیؑ پر تبرا کی رسم جو بعدازاں قائم ہوئی تھی۔ اس لقب کے ذریعہ سے فراموش نہ ہو جائے۔ (دیکھو تاریخ ابوالفدا جلد اول صفحہ ۲۱۲) اس زمانہ کے ناخواندہ اہل سنت کو اس توجیہ سے وحشت کا پیدا ہونا خلاف توقع نہیں ہے مگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بالا میں بیان ہوا۔ چنانچہ اہل سنت کے عالم ابن عبد ربہ کتاب العقد میں فرماتے ہیں کہ لَمَّا صَالَحَ الْحَسَنُ مُعَاوِیَۃَ سَمّٰی ذَالِکَ الْعَامَ عَامَ الْجَمَاعَۃِ۔ یعنی جب امیر معاویہ نے امام حسنؑ سے مصالحہ کیا تو اس سنہ کا نام سنہ جماعت رکھا۔ پھر تاریخ الخلفا صفحہ ۱۳۶ میں علامہ جلال الدین سیوطی رقم فرماتے ہیں کہ فَاسْتَقَرَّ فِیْھَا (فِی الْخِلَافَۃِ) مِنْ رَّبِیْعِ الْاٰخِرِ اَوْ جُمَادِی الْاُوْلٰی فِیْ سَنَۃِ اِحْدٰی وَاَرْبَعِیْنَ فَسُمِّیَ ھٰذَا الْعَامُ الْجَمَاعَۃَ لِاجْتِمَاعِ الْاُمَّۃِ فِیْہِ عَلٰی خَلِیْفَۃٍ وَّاحِدٍ یعنی حضرت معاویہ نے خلافت پر قرار پکڑا۔ ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ سے پس آپ نے اس سنہ کا نام سنہ جماعت رکھا۔ اس لئے کہ اب امت کا اجتماع خلیفہ واحد پر ہوگیا۔ اسی طرح عام السنت کی تحقیق یوں ہوتی ہے کہ علامہ یحییٰ بن الحسن القرشی

اپنی کتاب منہاج التحقیق میں تحریر فرماتے ہیں کہ اِنَّ مُعَاوِیَةَ
حِیْنَ مَنْ سَبَّتَ عَلِیًّا سَمّٰی ذَالِكَ الْعَامَ عَامَ السُّنَّةِ
یعنی حضرت معاویہ نے جس سنہ میں علیؑ پر تبرا جاری کیا اس کا نام
آپ نے سنہ سنّت رکھا اور اسی سنّت سے اہل سنّت نے نام پکڑا
اسی طرح حسن سہیل نے کتاب انوار البدایہ میں اسی تحریر کا اعادہ کیا ہے
اور یہی شیخ العسکری کتاب الرواج میں فرماتے ہیں کہ اِنَّ مُعَاوِیَةَ
سَمّٰی ذَالِكَ الْعَامَ عَامَ السُّنَّةِ یعنی حضرت معاویہ نے اُس سنہ
کا نام سنہ سنّت رکھا۔ المختصر یہ نام السنّت و الجماعت حضرت معاویہ
کے دو سال کے ناموں سے مرکب ہے مگر ہزاراں ہزار بیچارے ایسے
اہل السنّت والجماعت اس وقت میں موجود ہیں جو اپنے مذہب پاک کی
وجہ تسمیہ سے بالکل بے خبر ہیں ؛

قرآن اور اہل بیتؑ

واضح ہو کہ جناب رسالتمآبؐ نے حدیث ثقلین کی رو سے تمام
مسلمانوں کو قرآن اور اہلبیتؑ کے ساتھ متمسک ہونے کے واسطے تاکید
اکید کے ساتھ فرمایا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے صرف قرآن
کے ساتھ متمسک ہونے کو کافی سمجھا۔ اب اہل اسلام دیکھیں کہ خود
قرآن کے ساتھ متمسکان قرآن کس نہج سے پیش آئے عہد حضرت ابوبکرؓ
میں حکم حضرت سے قرآن جمع کیا گیا۔ اس کام کے لئے خلافت اولیٰ کی طرف
سے زید بن ثابت۔ ابی ابن کعب وغیرہ واسطے جمع کرنے قرآن کے
مقرر کئے گئے۔ چنانچہ ان حضرت نے قرآن کو جمع فرمایا۔ یہی جمع کردہ

قرآن حضرت بالا کا مسلمانوں میں عہد شیخین تک مروج رہا مگر جب
زمانہ حضرت عثمان کی خلافت کا آیا تو آپ نے چند اشخاص کے ذریعہ
سے قرآن کی تصحیح و ترتیب از سر نو فرمائی۔ اس تصحیح و ترتیب سے نہ صرف
مقدم آیتیں سابق کے نسخہ ہائے قرآن کی موخر میں داخل ہو گئیں یا
یہ کہیئے کہ بہت سی مدنی آیتیں مکی آیتوں میں اور مکی آیتیں مدنی
آیتوں میں جا ملیں بلکہ کچھ الفاظ کے ترک سے منصوصی حیثیت علی مرتضیٰ
اور آل محمدؐ کی بھی جاتی رہی۔ لاریب اہلبیتؑ نبوی کی حیثیت کا یہ
نقصان حضرت عمرؓ کے قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" کا معین تو ہوا۔
لیکن اسے نقصان قرآنی کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ
ایسے متروکات سے قرآن کے ظاہری کمال میں نقص آ گیا عقل صحیح کے
نزدیک یہ ترتیب عثمانی ہرگز مکمل نہیں سمجھی جا سکتی ہے۔ واضح ہو کہ
حضرت عثمانؓ نے قرآن کی تصحیح و ترتیب کا حکم اس بنیاد پر دیا تھا کہ
حضرت ابوبکرؓ کے نسخہ ہائے قرآن میں جو اختلافات قرآنی وغیرہ پائے
جاتے تھے تصحیح و ترتیب سے مٹ جائیں گے وہ اختلافات تو
مٹ گئے۔ مگر حضرت علیؑ اور آل محمدؐ ایسی کارروائی سے بہ اسباب ظاہر
بڑے گھاٹے میں پڑ گئے۔ قرآن کی تصحیح و ترتیب کے لئے زید بن ثابت،
عبد الرحمن بن زبیر۔ سعید بن العاص۔ اور عبد اللہ بن الحارث بن
ہشام مقرر کئے گئے تھے۔ اور ان حضرات کو علیؑ کے ساتھ کھلے
طور پر عداوت تھی اختلافات قرأت کی بنیاد پر ان حضرات نے
لفظ آل محمدؐ اور بھی علیؑ کے نام کو جو چند مقام پر داخل قرآن تھا
قرآن سے خارج کر دیا۔ بلاشبہ یہ امر بھی قول عمری کی طرح حدیث

ثقلین کی تاثیر کا مٹانے والا ثابت ہوا۔ اس واسطے کہ جب علیؑ اور آل محمدؐ کی مخصوصی حیثیت باقی نہیں رہی تو آئندہ آپ حضرات کے ساتھ کیوں کوئی متمسک ہونے لگا۔ چنانچہ حضرت معاویہ اور حضرت کے صاحبزادے اور دیگر اشخاص بھی جو آپ صاحبوں کے انداز و مذہب کے تھے حضرت علیؑ۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ کے کبھی متمسک نہ ہوئے۔ جائے لحاظ ہے کہ قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" کی بدولت دو امر بزرگ میں سے ایک امر بزرگ یعنی تمسک بہ اہل بیت تو متروک ہو ہی چکا تھا۔ اب دوسرا امر بزرگ جو قرآن تھا اس میں اس طرح کی کتر بیونت کی گئی کہ رسولؐ اللہ کے بعد علیؑ جو اہلبیتؑ کے سردار تھے ان کی مخصوصی سرداری یا امامت معرض نزاع ہو گئی۔ عموماً اہل سنت یہی کہتے ہیں کہ قرآن میں تو نام کسی اہلبیتؑ کا نہیں دیکھا جاتا ہے۔ پھر امامت یعنی سرداری علیؑ کی یا کسی اور اہلبیتؑ کی کیونکر قرآن سے ثابت ہو سکتی ہے۔ اب میں دکھلانا چاہتا ہوں کہ حضرت عثمانؓ کے وقت میں ایسے قرآنی انقلابات پیدا ہوئے کہ جو علیؑ مرتضیٰ کی مخصوصی سرداری کو امت محمدیؐ سے نزاعی بنانے والے ہو گئے۔ واضح ہو کہ عہد آنحضرتؐ میں آیہ بلّغ پارہ ٦ رکوع ١٤ کی قرأت یوں ہوئی تھی یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ أَنَّ عَلِيًّا مَوْلَى الْمُؤْمِنِينَ الخ یہ ٹکڑا اِنَّ عَلِيًّا مَوْلَى الْمُؤْمِنِينَ کا قرآن موجودہ سے خارج کر دیا گیا۔ اس ترک کا پورا پتہ تفاسیر قرآن سے لگتا ہے (دیکھو درمنثور تفسیر علامہ جلال الدین سیوطی وکتاب مفتاح النجا مرزا محمد ابن معتمد خان بدخشان) بقیہ ص ٣٣

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

حیدرآباد میں کم و بیش سو سال سے ایام عزا میں ہر سال شمالی ہند کے زیدہ و رشاعر اور ذاکر بلائے جاتے ہیں غالباً باہر سے ذاکروں کو بلانے کی ابتداء نواب تہور جنگ مرحوم نے کی۔ نواب مرحوم کی بدولت حیدرآباد کے ارباب ذوق انیسؔ کی مرثیہ خوانی اور مرثیہ گوئی کے انداز سے متعارف ہوئے۔

انیسؔ کے بعد ان کے خاندان کے افراد یا دبیر اسکول کے ممتاز مرثیہ گو بلائے جاتے رہے۔ امتداد وقت کے ساتھ مجالس عزاء کا انداز بدل گیا اور مرثیہ گوئی کے بجائے ذاکری ہونے لگی۔ ابتداء میں ذاکروں کا بیان سیدھا سادہ ہوتا تھا بیان کا آغاز اہلبیتؑ اطہار کے فضائل و مناقب سے ہوتا اور آخر میں کربلا کے دلدوز واقعات بیان کئے جاتے تاکہ مآل مجلس حاصل ہو رفتہ رفتہ ان مجلسوں میں اسلامی تعلیمات، قرآن تفسیر اور تاریخ کی روشنی میں مسلک اہلبیتؑ کی ترجمانی کی جانے لگی مخالفین کے اعتراضات کے جواب دئے جانے لگے اس طرح علمی موشگافیوں، فلسفہ، منطق اور علوم جدیدہ کی تعبیر و تفسیر میں زور طلاقت دکھانے کی راہیں کھل گئیں اور مجالس عزاء علوم آل محمد کی بہترین درس گاہیں بن گئیں۔ اہل حیدرآباد میں دینی شعور بیدار کرنے اور دینی مسائل کی باریکیوں سے بہرہ اندوز کرنے میں بیرونی ذاکروں کا خاصا حصہ ہے۔

ناسپاس گذاری ہو گی اگر اس سلسلے میں مقامی علماء اور ذاکروں کی

بے لوث خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حیدرآباد میں معیاری ذاکروں کی ہمیشہ کمی رہی۔ کوئی دینی درس گاہ یا مدرستہ الواعظین کا سا ادارہ قائم کرنے کی منضبط کوشش دردمندان ملت نے کبھی نہیں کی۔

حیدرآباد میں ملت جعفری کے افراد نے تاریخ ساز کارنامے انجام دیئے لیکن دینی ضرورتوں کی جانب کبھی انھوں نے توجہ نہیں کی۔ مجالس عزا کی بدولت افراد ملت تاریخی حقائق اور مسلک اہلبیتؑ کے مبادیات سے بے خبر نہیں ہیں لیکن نئی پود کے بیشتر افراد ابتدائی دینی مسائل سے بھی واقف نہیں ہیں ان مسائل سے ان کو واقف کرانا باشعور افراد ملت کا دینی فریضہ ہے۔

بعض انجمنیں اور مذہبی ادارے حیدرآباد میں کافی سرمایہ دار ہیں ان انجمنوں اور اداروں کے سربراہ اپنی سوجھ بوجھ اور مذہبی شغف کے باعث ملت کے تعلیم یافتہ حلقوں میں اپنا نام اور مقام رکھتے ہیں وہ چاہیں تو مدرستہ الواعظین کا سا معیاری ادارہ قائم کرکے وقت کی اس اہم ضرورت کی تکمیل کرسکتے ہیں تاکہ علم دین سے لگاؤ رکھنے والے افراد ملت اس ادارے میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے دین و ملت کی بہ احسن الوجوہ خدمت انجام دے سکیں۔ اور حیدرآباد میں ملت جعفری کے معیاری ذاکروں کی کمی کا شکوہ نہ رہے۔ ورنہ یاد رکھیئے ؂

اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی
آئینگے غسال کابل سے کفن جاپان سے

۲۰ ستمبر ۱۹۶۸ء — خادم۔ سید غضنفر علی نقوی

اسی طرح مفسرین لکھتے ہیں کہ قرأت ابن مسعود میں كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ کے بعد بِعَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ کا ٹکڑا داخل تھا چنانچہ اسی در منثور اور مفتاح النجاۃ میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔ ثعلبی اپنی تفسیر میں اپنے استاد ابی وائل سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے مصحف عبداللہ بن مسعود کو جو پڑھا تو آیہ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ میں آل عمران کے بعد آل محمدؐ کا لفظ موجود تھا اس سے معلوم ہوا کہ مصحف ابن مسعود کے وجود تک یہ لفظ آل محمدؐ کا داخل قرآن تھا اور قرآن کے پڑھنے والے اس کو پڑھا بھی کرتے تھے مگر تعجب ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت کے کارکنان نے اس لفظ کو نامعتبر سمجھا اور اسے قرآن سے خارج کردیا۔ کیا علیؑ اور آل محمدؐ کے الفاظ کے نکال ڈالنے پر قرآن کی تصحیح موقوف تھی۔ اہل انصاف خود اس کی تجویز کریں۔ راقم کو اس سے زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے مگر جو روز سیاہ ابن مسعود کو اس قرآنی نقصہ میں پیش آیا وہ نہایت ملال انگیز ہے۔ جب اس جلیل القدر صحابی نے اپنے نسخۂ قرآن کو حضرت عثمان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا تو خوب ان پر مار پڑی (دیکھو نہایت العقول امام فخرالدین رازی اور مجالس المومنین ملا محسن کشمیری کی اور بھی معارف ابن قتیبہ) ہائے بیچارے ابن مسعود قرآن کا قرآن گیا اور بدن کی مرمت الگ ہوئی۔ ان ریحانہ کارروائیوں کا جواب ابن مسعود کیا دے سکتے تھے مار کھا کر چپ رہے مگر جیسے ایسی ہی ناروا کارروائی حضرت عائشہ ام المومنین کے والد

بزرگوار کے قرآن کے ساتھ ہونے لگی تو حضرت اُم المومنین نہایت
غضبناک ہوئیں اور حضرت خلیفہ کی شان میں جو کچھ ارشاد فرمایا
راقم کو اس کے اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ مگر ایسی زبانی خفگی سے
کیا ہوتا ہے کہ حکم حضرت خلیفہ سے آپ کے والد بزرگوار کا قرآن
بھی ابن مسعود اور دیگر اشخاص کے نسخہ ہائے قرآن کے ساتھ خاک کی طرح
برابر کر دیا گیا۔ علامہ قوشجی نے کتاب شرح تجرید میں حضرت ابن مسعود
کے اس قرآنی معاملہ کو وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور اس کے امر واقعی
ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ رفع
اختلافات قرآنی جو عمل میں لایا گیا تو بغرض خارج کر دینے تمام
"علی ولفظ" "آل محمدؐ" کے عمل میں لایا گیا اس سے صاف
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کی ساری قرآنی کارروائیوں کا
مطلب یہی تھا کہ علیؑ اور آل محمدؐ کی منصوصی حیثیت زائل ہو جائے
جس سے سردار بنی ہاشم یعنی علیؑ اور جانشینان علیؑ کی امامت رسولؐ اللہ
کے بعد کسی وقت میں قائم نہ ہو سکے اہل انصاف کے نزدیک یہ ساری
قرآنی کارروائیاں حضرت عثمان کے مقدوح ہونے کے سوا اور کیا
معلوم ہو سکتی ہیں اور حضرت عثمان پر سے رفع الزام کرنے کی نظر سے
جو ایسے ایسے الفاظ مثلاً "قرأت شاذہ" "منسوخ التلاوت"
و "بعنوان التفسیر" گڑھے گئے ہیں۔ اہل انصاف کی نظر میں
عذر گناہ بدتر از گناہ کا حکم رکھتے ہیں۔ نہایت جائے افسوس ہے
کہ یہ الفاظ پاک قرآن سے بدر کر دئے گئے اگر حضرت عثمان اُن
الفاظ کو جو پیغمبرؐ خدا کے وقت سے قرآن میں چلے آتے تھے اپنی

اپنی جگہ پہ رہنے دیتے تو مسئلہ امامت کبھی نزاعی مسئلہ نہ ہو جاتا
اور پیروان اسلام ایک بڑی گمراہی سے مامون رہ جاتے پس
اخراج الفاظ بالا سے جو نتیجہ اس دنیا میں پیدا ہوا اور جس کو
اہل انصاف اپنی نظروں سے دیکھ رہے ہیں بلا شبہ نہایت
افسوسناک ہے ظاہر ہے کہ قرآن سے ان الفاظ گرامی کا نکال دینا
تا متر اہل خلاف کے لئے مبنی بر مصلحت تھا۔ یہ مصلحت کی راہ
حضرت عثمان کو خود سوجھی ہو یا سجھائی گئی ہو اس کی راقم کو
کوئی اطلاع نہیں ہے۔ مگر قیاس راقم یہی ہے کہ یہ راہ آپ کو
سجھائی گئی تھی آپ کے ساتھ کچھ ایسے ذہین اشخاص رہا کرتے
تھے جو اہل بیت نبوی سے قطعی عداوت رکھتے تھے۔ اگر وہ ان کی
ترکیب کے آدمیوں نے یہ راہ سجھائی ہو تو تعجب نہیں خیر۔
حقیقت حال جو کچھ ہو مگر ایسی کارروائی خلافت ثالثہ کی بڑی
مصلحت بینی سے خبر دیتی ہے۔ بلاشبہ یہ ساری قرآنی کارروائیاں
حضرت عثمانؓ کے عہد کی قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ" کی تکمیل کی
غرض سے عمل میں لائی گئی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے حسبنا کتاب اللہ
فرما کر اہل بیت نبویؐ کے تمسک سے کنارہ کشی کی راہ سجھائی تھی
مگر اہل بیت نبویؐ کے ذکر سے خود قرآن خالی نہ تھا۔ قرآن تمسک
اہل بیتؑ کی ہدایت کھلے طور پر صاف صاف لفظوں میں کرتا تھا
پس جب تک قرآن سے وہ الفاظ پاک خارج نہ کر دئے
جاتے تو قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ" کی تعمیل آسان طور پر
عمل میں نہیں آسکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اہل بیت نبویؐ کی منصوصی

حیثیت مجرد قول حضرت عمرؓ سے زائل ہونے والی نہ تھی۔ مگر جب لفظ آل محمدؐ اور نام علیؑ سے قرآن خالی کر دیا گیا تو قول بالا کو پورا فروغ حاصل ہو گیا۔ یعنی اس قرآنی کارروائی کی بدولت اہل بیت نبوی سے پوری کنارہ کشی کا سامان بہم ہو گیا اور واقعی امر بھی یہی ہے کہ چونکہ عترت نبوی اور قرآن دست و گریبان کا حکم رکھتے ہیں قرآن سے ان کو جدا کئے بغیر قول عمری کی تعمیل امکان نہیں رکھتی تھی۔ المختصر عہد حضرت عثمان میں حضرت عمر کی اس منشاء کا تکملہ ہو گیا جو رسول اللہؐ کے وقت آخر میں حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ سے ظاہر ہوا تھا۔ اب اہل انصاف خود تجویز فرمائیں کہ ان سب کارروائیوں سے شان اہل بیت نبویؐ کی تنقیص عمل میں آئی یا نہیں۔ راقم کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کارروائیوں سے اہل بیت نبوی کی نہ صرف بڑی تنقیص شان ہوئی بلکہ جتنی مصیبتیں ان حضرات پر آنحضرتؐ کے بعد آتی گئیں۔ ان کا اصلی سبب وہی "حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ" ہوا اور جس کی پوری تائید حضرت عثمان کے قرآنی معاملات سے عمل میں آئی۔ لاریب ان قولی اور فعلی کارروائیوں سے علیؑ اور جانشینان علیؑ کی سرداری یعنی ان کی امامت کا مضمون عامہ مسلمانان کے دماغ سے جاتا رہا۔ پس جب امامت کوئی نصی شے باقی نہیں رہی تو خاندان پیغمبرؐ کے اماموں کے ساتھ درشتی بے ادبی اور بیرحمی سے مسلمانان وقت کا پیش آنا ہرگز تعجب انگیز متصور نہیں ہو سکتا تمسک بہ اہل بیت نبویؐ کے مضمون کے گاؤ خورد ہو جانے اور

قرآن سے آل محمدؐ اور علیؑ کے ذکر کو دور کر دینے کے بعد اہل بیت نبوی کے ساتھ مسلمانوں کی جانب سے ہر طرح کا سلوک بد امکان رکھتا تھا جیسا کہ واقعی اوقات مختلفہ میں ظہور پکڑتا گیا۔ یہ کوئی مبالغہ کی بات نہیں ہے جو یہ کہا جائے کہ اگر دو ہزار حسینؑ دنیا میں ہوتے تو ایسی تعلیمات کے بعد مسلمانان وقت دو ہزار بار واقعۂ کربلا کے مرتکب ہو سکتے۔ مگر چونکہ حسینؑ ایک ہی تھے اس لئے واقعۂ کربلا بھی صرف ایک بار ظہور میں آیا۔ اگر بہ تقاضائے حدیث ثقلین تمسک بہ اہل بیت نبوی ایک موکد امر مانا جاتا اور حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کی منصوصی حیثیت میں زوال نہ ڈالا جاتا تو جو جو واقعات ان حضرات اور ان کے جانشینان کو مسلمانان وقت کے ہاتھوں پیش آتے گئے ہرگز ہرگز پیش نہ آ سکتے ساری آفتیں جو آئمہ خاندان پیغمبرؐ پر آئیں اس کا سبب یہی ہوا کہ وہ حضرات معصومین قابل تمسک اور ائمہ منصوصین نہ سمجھے گئے بنی ہاشم اور دوستداران بنی ہاشم کے سوا ان حضرات منصوصین کو عامہ مسلمانان اس زمانہ کے اور مابعد زمانوں کے تقاضائے تعلیم سے لائق ماننے اور واجب الاطاعت نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ آئندہ آتا ہے۔ اگر مسلمانان وقت انہیں واجب الاطاعت سمجھتے ہوتے تو حضرت معاویہ جناب علیؑ ابن ابی طالب سے صف آرائیاں نہ کرتے نہ جناب امام حسنؑ سے خلع خلافت کراتے اور نہ آپ کے صاحبزادے حضرت یزید رضی اللہ عنہ جناب امام حسینؑ سے بیعت کے خواستگار ہوتے۔ لاریب اسی قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ" اور حضرت عثمان کے معاملات قرآنی

کی بدولت اہل بیت نبوی کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی تھی۔ حتیٰ کہ
علمائے اہل سنت ان کو جائز الخطا جاننے لگے جیسا کہ شیخ الاسلام
ابن تیمیہ حضرت علیؓ کی نسبت لکھتے ہیں کہ آپ نے سترہ چیزوں میں
خطا کی۔ مولوی عبدالعلی صاحب بحر العلوم حضرت سیدہ صلوات اللہ
علیہا و ابیہا کو خطا وار قرار دیتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب قرۃ العینین
میں علیؑ مرتضیٰ کی فقہی غلطی بتاتے ہیں۔ امام غزالی حسنین علیہما السلام
کے ذکر مصائب و شہادت کو حرام ٹھیراتے ہیں۔ اور ابوشکور سلمی
شرح عقائد نسفی صفحہ ۷۱ میں لفظ لَمّٰا يُقْتَلُ الحُسَيْنُ کے حاشیہ
پر یہ فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ پر یزید کی بیعت واجب تھی عبارت
عربی کی یہ ہے۔ اِنَّ طَاعَتَہٗ کَانَتْ وَاجِبَۃً عَلَی الحُسَیْنِ وَ
جَمِیْعِ المُسْلِمِیْنَ اور اپنی اس تحریر پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ
یزید کی خلافت بہ استخلاف معاویہ تھی یعنی حضرت یزید کو حضرت
معاویہ نے خلیفہ بنایا تھا اور صحابہ اور غیر صحابہ نے یزید کی متابعت
کی تھی۔ جاننا چاہیئے کہ استخلاف غیر امامیہ کے نزدیک شروطِ
خلافت سے ہے اور یہ ایک ایسی جید شرط ہے کہ اسی شرط کے مطابق
حضرت عمر ابن الخطابؓ بہ اعتقاد اہل سنت حضرت ابوبکر بن ابی
قحافہ کے خلیفۂ برحق قرار پائے تھے۔ ترکِ تمسک اہل بیت اور تبعیت
قول "حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ" سے اس کے سوا اور کیا نتیجہ پیدا
ہو سکتا تھا کہ ابوشکور جیسے عالم اہل سنت نے حضرت یزید کی
بیعت کو امام حسینؑ پر واجب گردانا۔ کیوں آسمان ٹوٹ کر تارکان
تمسک اہل بیت پر نہیں گر پڑتا۔ ہاں ظلم کی رسی دراز ہوتی ہے۔

مگر ایک وقت خدائے تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا آئے گا۔ تب
معلوم ہو جائے گا کہ حضرت یزید واجب الاطاعت تھے یا جناب
امام حسینؑ۔ یوں جو کوئی جو کچھ چاہے حضرات اہل بیت کے حق میں
کہہ لے۔ مگر منتقم حقیقی ناپید نہیں ہو گیا ہے۔ وہ زمانہ بہت دور
نہیں ہے کہ ہر شخص کو اس کے قول و فعل کی مکافات ملے۔ اللہ اکبر
یہ وہ اہل بیتؑ ہیں کہ داخل قرآن ہونے کی وجہ سے منصوصی
حیثیت رکھتے ہیں اور جن کی نسبت جناب پیغمبر خدا حدیث
ثقلین میں دو امر بزرگ ہیں سے ایک امر بزرگ خود ان کو فرمایا
ہے اور ان کی نسبت اسی حدیث میں یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن و
اہل بیتؑ ایسے ہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے متفرق اس
وقت تک نہ ہوں گے جب تک کہ وہ دونوں حوض کوثر پر وارد
نہ ہو لیں۔ قول نبوی یہ ہے وَاِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتّٰى
يَرِدَا عَلَیَّ الحَوْضَ اس قول پاک کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اور
اہل بیتؑ نبوی ایسے دو امر بزرگ ہیں کہ کہیں ایک دوسرے سے
جدا نہ ہوں گے چہ در دنیا و چہ در آخرت۔ مگر فرمودہ نبویؐ کی اس
دنیا میں اس طور پر تعمیل کی گئی کہ اہل بیتؑ بالکل متروک کر دئے
گئے اور صرف قرآن کے ساتھ تمسک کافی سمجھا گیا۔ پھر قرآن سے
بھی لفظِ آل محمدؐ اور علیؑ کے نام کو خارج کر دینا قرین مصلحت سمجھا
گیا۔ واہ کیا خوب حکم نبویؐ کی تعمیل کی گئی۔ اے سبحان اللہ۔ من چہ
می گویم و تنبورہ من چہ می سراید۔ اب سنئیے کہ تمسک بالقرآن کا
سر کہاں جا پہنچا۔ اہل واقفیت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ نسخہ ہائے

قرآنی کے احراق کے بعد حضرت معاویہ نے قرآن کا مصرف یہ نکالا کہ اس کے سینکڑوں نسخوں کو جھنڈوں پر آویزاں کیا اور حضرت کے بعد ولید نے قرآن مجید کو تیر باران کیا ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

واضح ہو کہ قرآن میں دست اندازیوں کے قائل حضرت عبداللہ ابن عمر بھی دیکھے جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بہت سا قرآن جاتا رہا ہے۔ کَمَا قَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ قَدْ اَخَذْتُ الْقُرْاٰنَ کُلَّہٗ مَا یُدْرِیْکَ مَا کُلُّہٗ قَدْ ذَہَبَ مِنْہُ کَثِیْرٌ۔ یہ تو قرآن پاک کی سرگذشت ہے دست اعدا سے نہ اہل بیت نبوی بچے اور نہ قرآن مجید۔ مگر کیا کیا جائے جس قدر اور جس وضع پر اس وقت قرآن مجید موجود ہے اسی کو سنی اور شیعہ گلے لگائے ہوئے ہیں۔ راقم بھی اس قرآن کو اپنا ہادی جانتا ہے لیکن اگر علیؓ مرتضیٰ کا جمع کردہ قرآن یا تنزلاً ابن مسعودؓ ہی کا قرآن دستیاب ہو سکتا تو راقم کو قران موجود سے آزاد ہو جانا پڑتا۔ راقم کی تحقیق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن موجود میں کوئی شئے افزود نہیں کی گئی ہے۔ اس وقت جس قدر قرآن وجود رکھتا ہے یہ سب کا سب قول خدا ہے قول بشر نہیں ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ قول خدا ناتمام ہے۔ جیسا کہ اوپر دکھلایا گیا ہے۔ وہ حضرات جو کہتے ہیں کہ قرآن کا حافظ خود خدا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کا حافظ خدا ہے مگر ضرور نہیں کہ نقوش کتابی کا

بھی حافظ خدا ہو اگر نقوش کتابی کا بھی بالضرور حافظ خدا ہوتا تو ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا عہد حضرت عثمان ابن عفان میں نہ جلایا جا سکتا اور نہ اس کے بعد کبھی قرآن کے نقوش کتابی کو کسی طرح کا آسیب پہنچ سکتا۔ حال میں ایک کافر نے کسی مسجد میں گھس کر ایک نسخہ قرآن کو جلا ڈالا ہے اگر بالضرور نقوش کتابی کا حافظ خدائے تعالیٰ ہوتا تو اس عاقبت برباد سے ایسا فعل قبیح صادر نہ ہو سکتا۔ پس جاننا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ قرآن کا حافظ ہے مگر ضرور نہیں کہ نقوش کتابی کا بھی حافظ ہو۔ قرآن قول خدا ہے اور علم خدا میں محفوظ ہے اور کوئی شئے ماسوا ایسی نہیں ہے کہ اس کی حفاظت میں اپنے فعل سے خس برابر بھی کمی کر سکے جس کے باعث کسی طرح کا نقص قرآنی پیدا ہو سکے۔ آخر میں راقم کا یہ عرض کر دینا خلاف محل نہ ہوگا کہ قول "حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ" کس اعلیٰ درجہ کا پولٹیکل وزن رکھتا ہے اللہ اکبر اس قول نے کیا کیا پولٹیکل نتائج تاریخ عرب میں پیدا کئے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اگر یہ قول حضرت عمرؓ ابن الخطاب کے لب مبارک تک نہ آیا ہوتا تو اس وقت عرب کی تاریخ نہ صرف تمدن بلکہ مذہب کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے رنگ کی دکھائی دیتی حق یہ ہے کہ قابل آدمی دنیا میں کیا نہیں کر سکتا ہے۔ امر واقعی یہ ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب کی پولٹیکل قابلیت اپنا جواب نہیں رکھتی حضرت معاویہ ابن ابی سفیان کو ایک بہت بڑے مدبر ذہین اور فطین بزرگ تھے مگر حضرت عمرؓ ابن الخطاب کے پولٹیکل دماغ سے کوئی نسبت نہیں رکھتے تھے یہ حضرت عمر ہی کا کام تھا کہ حضرت

صرف ایک مختصر قول سے جناب رسول اللہ کی حدیث ثقلین کو بے اثر کردیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی ہاشم باوجود اس کے کہ عہدِ رسول اللہؐ میں بہت کچھ قدر و منزلت حاصل کر چکے تھے نہایت آسانی کے ساتھ حکومت سے دور کر دیئے گئے اور پھر انہیں کبھی دنیا میں فروغ حاصل نہ ہوا۔

دو مذہب!

جاننا چاہئیے کہ حضرات اہل سنّت کے نزدیک حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم میں صرف حضرت عمر ابن الخطاب مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں حضرت ابی بکرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے کوئی مجتہدانہ کارروائی نہیں فرمائی البتہ آپ ہر دو حضرات جامع القرآن کہے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ عہد حضرت خلیفۂ اول میں قرآن جمع کیا گیا اور عہد خلیفہ ثانی میں قرآن کی از سر نو ترتیب دی گئی جیسا کہ سابق میں عرض کیا جا چکا ہے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ کے اجتہادات حضرت علیؑ کے اجتہادات سے علحٰدہ رنگ رکھتے ہیں پس ایسے ہی اختلاف اجتہادات کی بناء پر دو مذہب قائم ہوگئے ایک مذہب فاروقی دوسرا مذہب علوی۔ ہر چند اختلافات مذہب کی ابتدائی صورت حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوئی مگر اختلافات مرور ایام سے بڑھتے ہی گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کے اجتہادات کی تدوین ہو کر مذہب فاروقی قائم ہوگیا جس کا دوسرا نام مذہب اہل السنت والجماعت ہے اسی طرح اجتہادات علیؑ سے وہ مذہب پیدا ہوا جسے اہل سنت مذہب علیؑ یا مذہب امامیہ کہتے ہیں۔ مذہب علیؑ کے تکملہ کی یہ صورت ہوئی کہ جوں جوں ائمہ خاندان پیغمبرؐ کا زمانہ یکے بعد دیگرے آتا گیا۔

یہ حضرات ائمہ مذہب علیؑ پر قائم رہکر اجتہاد مسائل فرماتے گئے اور یہ مذہب علیؑ مذہب امامیہ کے نام سے شہرت پذیر ہوا گیا۔ واضح ہو کہ ائمہ خاندان پیغمبرؐ کے اجتہادات سے مذہب فاروقی کے پابند حضرات ہمیشہ کنارہ کش رہے اور اپنے اپنے طور پر حسب ضرورت اجتہاد مسائل کرتے رہے۔ غرض یہ کہ مرور ایام سے ان دونوں مذہبوں میں اصولاً و فروعاً اختلافات روز بروز بڑھتے گئے اور اختلافات نے اس قدر ترقی کی کہ اب یہ دونوں مذہب ایک دوسرے سے کسی طرح کی مناسبت نہیں رکھتے ہیں۔ یہ محض لاعلمی عوام کی ہے جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ سنّی اور شیعہ کے درمیان اختلافی امر صرف خلافت ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے اصولاً و فروعاً ان دونوں مذہبوں میں کسی طرح کا اتفاق نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اہل سنت کا خدا اہل تشیع کے خدا سے علحٰدہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح جتنے اصول دین ان دونوں مذہبوں کے ہیں ایک دوسرے سے تمامتر علحٰدہ ہیں اور اسی پر ان کے فروع کو بھی قیاس کرنا چاہئیے۔ واضح ہو کہ پہلے تو مذہب فاروقی ایک سیدھے سادے انداز کا مذہب تھا یعنی حکمت اور فلسفہ سے بے تعلقی رکھتا تھا مگر آخر کار اس میں فلسفہ کی آمیزش ہونے لگی۔ سب سے پہلے اہل علم اہل سنت میں معتزلہ گذرے ہیں۔ حسن بصری کے وقت سے اس مذہب کی نشو و نما شروع ہوئی اور اپنے زمانہ میں مذہب معتزلہ ہی مذہب حق مانا جاتا تھا۔ پھر ابو الحسن اشعری نے

اپنے استاد سے جو معتزلہ تھے اختلاف کر کے اپنے اس مذہب
کو جو مذہب اشاعرہ کہلاتا ہے رونق دینا شروع کیا مذہب
اشاعرہ کے قائم ہونے کا زمانہ ۳۶۵ھ ہجری ہے اس وقت سے
مذہب معتزلہ میں تنزل شروع ہوا اور نئے مذہبوں کے اختراع
کی طرف علماء کو رجحان ہونے لگا۔ جو حضرات کہ معتزلہ استادوں
کے شاگرد تھے وہ بھی مذہب معتزلہ سے انحراف کرنے لگے۔
چنانچہ ائمہ اربعہ کی عبارت ہے امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی
اور امام احمد بن حنبل سے یہ حضرات سب کے سب معتزلہ سے
کنارہ کش ہو کر خاص خاص مذہب قائم فرمانے لگے۔ پھر مذہب
ماتریدیہ قائم ہوا۔ جاننا چاہئے کہ اہل سنت کے اصولی مسائل
کے اجتہادات ابو الحسن اشعری اور ابو المنصور ماتریدی سے
ظہور میں آئے اسی طرح فروعی مسائل نے ائمہ اربعہ کے اجتہادات
سے صورت پکڑی ان حضرات ائمہ اربعہ نے اجتہادات علیؑ سے
کنارہ کشی کر کے ابو موسیٰ اشعری ابن مسعود اور زید ابن ثابت کے
اجتہادات کو جو مذہب فاروقی ہے تدوین فرمایا جیسا کہ
جناب شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں اس مضمون کو
تصریح کے ساتھ حوالہ قلم فرماتے ہیں اور اجتہادات علیؑ سے
تمامتر بے تعلقی صاف صاف طور پر دکھلا رہے ہیں۔ المختصر
کسی طبقہ کے علمائے اہل سنت کو لیجئے تو ایسا ہی معلوم
ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب حضرات علمائے مذہب فاروقی
کی بنیاد پر تمام اپنے مذاہب کی عمارتوں کو قائم کرتے

گئے ہیں اور اس تعمیر میں خاندان پیغمبرؐ کے کسی امام سے کسی
قسم کی مدد نہیں لی ہے۔ مذہب اہل تسنن اور مذہب
امامیہ پر نظر تحقیق ڈالنے کے بعد صاف منکشف ہوتا ہے کہ
ابتدا سے انتہا تک مذہب علیؑ اور مذہب فاروقی میں
کوئی واسطہ نہیں رہا ہے اور یہ دونوں مذہب ایک دوسرے
سے بے سروکار رہے ہیں۔ دونوں مذہب کے علماء اور
اماموں میں تمامتر بے تعلقی رہی ہے جتنے ائمہ اور علماء
اہل سنت کے گذرے ہیں سب خاندان پیغمبرؐ کے
اماموں اور ان کے طریقہ کے پیرو علماء سے کنارہ کش رہے
ہیں اور یہی کیفیت خاندان پیغمبرؐ کے ائمہ اور ان کے
طریقہ کے علماء کی بھی رہی ہے۔ کتب اہل سنت کے دیکھنے
سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے
کسی امام اہل بیت کی پیروی نہیں فرمائی۔ ہر چند خاندان پیغمبرؐ
کے امام حضرت امام جعفر صادق موجود تھے۔ مگر امام اعظم
صاحب اپنے اجتہادات الگ فرماتے رہے۔ حقیقت یہ
ہے کہ امام اعظم صاحب اور امام مالک صاحب امام جعفر صادق
علیہ السلام سے کسی طرح کا تعلق نہیں رکھتے تھے۔ یہ بھی
ایک غلط عقیدہ عوام کا ہے کہ یہ دونوں امام اہل سنت کے
امام جعفر صادق علیہ السلام کی اجازت سے اجتہاد فرماتے
تھے۔ جناب جعفر صادق تو خود امام تھے آپ اجتہاد
جیسے امر اہم کو غیر مذہب کے کسی مجتہد کو کیوں سپرد

فرماتے تھے۔ جناب امام جعفرؑ صادق میں نہ علم کی کمی تھی اور نہ آپ کو کسی طرح کی مجبوری لاحق تھی جو ایسا کرتے۔ دونوں فرقوں کے مجتہدین کا یہ عام طریقہ تھا کہ حتی الامکان غیر مذہب کے ائمہ اور مجتہدین سے بے سروکاری رکھتے تھے۔ یہ امر عقل کے بہت خلاف ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب اور امام مالک صاحب جناب امام جعفرؑ صادق کی تبعیت میں اجتہاد فرمایا کرتے ہوں۔ اس طرح کی بے سروکاری کے بہت سے ثبوت ہیں + (تمام شدہ)

کتاب الصلوٰۃ شیعہ بچوں کے لیئے مطابق فتوائے سرکار محسن حکیم مدظلہ العالی۔ طریقہ نماز ترجمہ کے ساتھ پاکٹ سائز۔ قیمت ۲۰ پیسے

نہج البلاغہ ترجمہ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۰۷، خطبہ نمبر ۱۰۹ صحیح ترجمہ کیا تھا قیمت ۱۵ پیسے

اعجاز ناد علی طریقہ ورد ناد علی مبارک جس کو پڑھکر مومنین مشکلوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں قیمت ۵۰ پیسے۔

دس مقدس بیبیوں کی کہانی یہ ایک معجزہ ہے خواہ کوئی کیسی ہی تکلیف میں ہو مشکل آسان ہونیکے بعد دس بیبیوں کی کہانی سننے کی نذر مان لے۔ قیمت ۲۵ پیسے۔

تین معجزے معجزہ امام جعفر صادق علیہ السلام، معجزہ مولا مشکل کشا حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور معجزہ تعویذ مولا مشکل کشا علیہ السلام قیمت ۲۵ پیسے۔

سلامتی جسمیں اعمال ماہ شعبان و ۱۵ شعبان شامل ہیں قیمت ۲۵ پیسے۔

دعائے نور بہترین ترجمہ کے ساتھ (زیر طبع) قیمت ۲۵ پیسے

کتاب الصوم ماہ رمضان المبارک سے متعلق جملہ مسائل اعمال شب قدر، ادعیہ ماثورہ وغیرہ پاکٹ سائز۔ قیمت ۲۵ پیسے۔

کتاب المیت جسمیں غسل و کفن و دفن و تلقین زنانی و مردانی علحدہ علحدہ درج ہے (زیر طبع)

حسبنا کتاب اللہ مذہبی و معلوماتی ایک اہم کتاب
قیمت

فدک حقوق سیدہ کونین کے تفصیلی حالات
قیمت

کوہ مولا علیؑ مکمل تاریخی حالات تاریخ کی روشنی میں۔ قیمت ۵۰ پیسے